تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

لذّتِ صبر و ثبات

اسلام پر قائم رہنا، اس سے اپنی نسبت کرنا اور علانیہ اس کے شعائر کا اظہار اس وقت بھی سعادت و فخر کی بات ہے اور اس میں اس وقت بھی مزا ہے جب حالات اس کے لئے سازگار ہوں اور جب مسلمانوں کی کامیابی کا دور اور دنیا میں اسلام کا دور دورہ ہو اور کسی معاملہ میں ان کو ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا ہو لیکن امتحان و آزمائش کے موقعہ پر وفاداری اور جان نثاری میں جو لذت ہے وہ لذت کسی چیز میں نہیں، یہ وہ وقت ہے، جب حق پر قائم رہنے والوں، حق و صداقت کی تبلیغ کرنے والوں، اور اپنے عقیدے و ضمیر کے خاطر مفادات اور اعزازات کی قربانی کرنے والوں کو اس دنیا ہی میں جنت کا مزا آنے لگتا ہے اور ان کے بدن کے روئیں روئیں سے خدا کی حمد و شکر کا ترانہ بلند ہوتا ہے۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

اس شمارے میں

۱۔ دار العلوم دیوبند اور دار العلوم ندوۃ العلماء ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔ (اداریہ)
۲۔ ہدیۂ مسرت و اخلاص۔
۳۔ افغانوں پہ کیا گذری
۴۔ بخارا سے کابل تک
۵۔ مسلم وزراء خارجہ کی اسلام آباد کانفرنس
۶۔ مطالعہ کی میز پر
۷۔ اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر
۸۔ حضرت جنید بغدادی۔
۹۔ خلیجی ممالک مشترکہ دفاعی منصوبہ کی تیاری میں مصروف ہیں۔
۱۰۔ ندوہ کے شب و روز

Regd No. LW/NP 56

Phone: 42948 / 49747

TAMEER-E-HAYAT

Fortnightly

جماعت تبلیغ کا وفد دار العلوم دیوبند میں

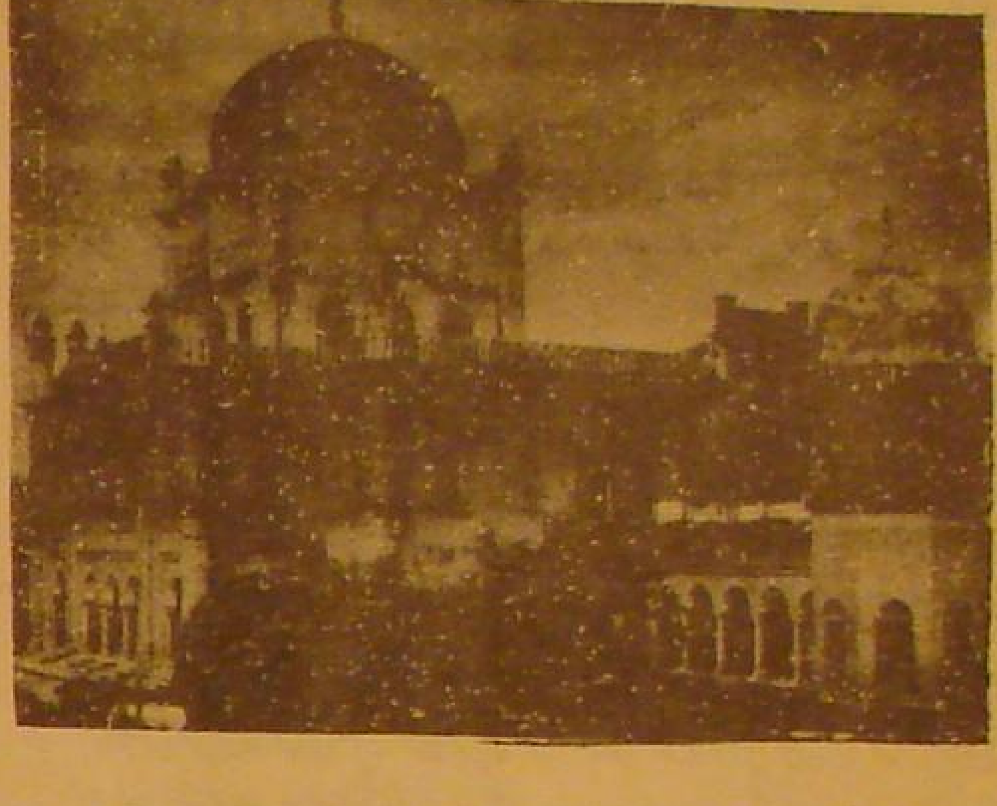

مرسلہ دفتر اجلاس صد سالہ دار العلوم دیوبند

دار العلوم کے اجلاس صد سالہ سے جہاں ملک و بیرون کے تمام علمی، دینی اور قومی حلقے پوری دلچسپی لے رہے ہیں وہاں کارکنان اجلاس کے لئے یہ حقیقت انتہائی طور پر حوصلہ افزا ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ، نے قدم قدم پر اپنی دعاؤں سے اجلاس کو نوازا، ابھی چند روز ہوئے مدینہ منورہ سے اجلاس کے لئے دس ہزار کا ایک عطیہ بھی مرحمت فرمایا ہے۔ مورخہ ۲۰ر جنوری کو جماعت تبلیغ کے منتخب اور معزز حضرات کا ایک وفد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب امیر جماعت تبلیغ صوبہ گجرات، جناب حاجی علاء الدین صاحب، مولانا حبیب اللہ صاحب پالنپوری، مولانا فخر الدین صاحب اور مولانا مصلح الدین صاحب بھی شامل تھے، وفد نے سب انتظامات پر غائر نظر ڈالی، اور موضع قاسم پورہ میں جہاں اجلاس کے لئے قیام گاہوں اور پنڈال کا انتظام کیا جا رہا ہے پہنچکر کارکنان اجلاس کے ساتھ عصر اور مغرب کی نمازیں ادا کیں اور خشوع و خضوع کے ساتھ اجلاس اور اس کے علمی و دینی مقاصد کے لئے طویل دعائیں کیں۔ رات کو ذمہ داران اجلاس کے ساتھ اجلاس کے مختلف انتظامات پر کارآمد مشورے ہوئے۔ جماعت تبلیغ کے ان افراد نے نہ صرف ان انتظامات پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا بلکہ اپنے ہر قسم کی تعاون کی پیشکش فرمائی اور وعدہ کیا کہ جماعت تبلیغ کے بہت سے ذمہ دار افراد اجلاس کے موقعہ پر پہنچ کر پورا تعاون فرمائیں گے۔ شب میں ان حضرات نے دار العلوم میں قیام فرمایا اور ۲۱ر جنوری کی علی الصبح دہلی تشریف لے گئے۔

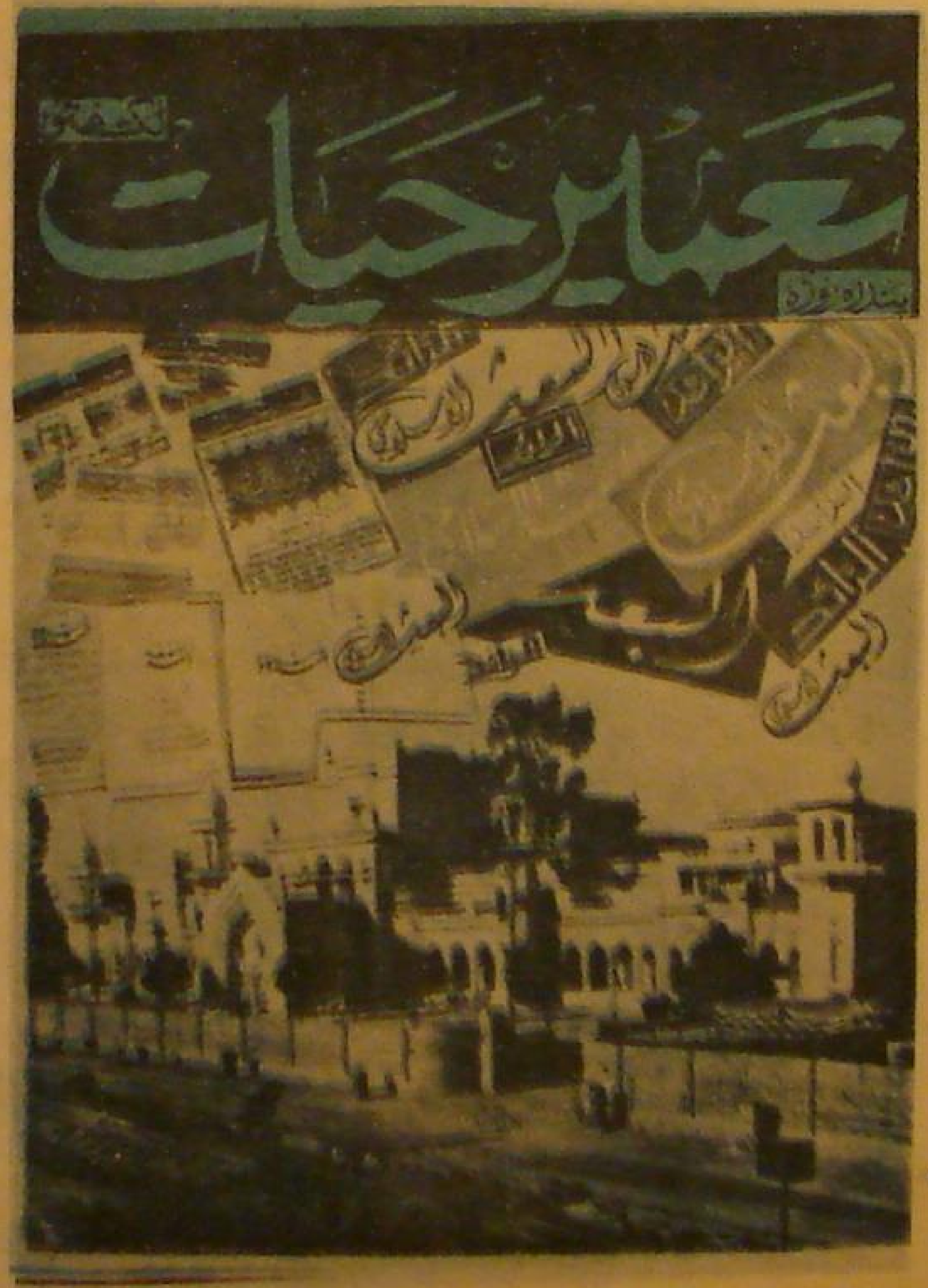

تعمیر حیات کی

اشاعتِ خاص

- مولانا عبد السلام قدوائی ندوی رح
- مولانا سید محمد الحسنی رح
- مولانا اسحاق جلیس ندوی رح

کے حالات، واقعات، علمی و ادبی خدمات خصوصیات و کمالات اور کارناموں کی تفصیل۔

ملنے کا پتہ: مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، قیمت: 25/-

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر (۱۷) | ۲۵ر فروری ۸۰ء - ۸ر ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ | شمارہ نمبر ۸

زر تعاون

اندرون ملک	۱۶ روپے
فی پرچہ	۸۰ پیسے
بیرون ملک بحری ڈاک جملہ ممالک	۴ پونڈ
ہوائی ڈاک	
ایشیائی ممالک	۶ پونڈ
افریقی ممالک	۷ پونڈ
یوروپ و امریکہ	۹ پونڈ

شمس الحق ندوی

دار العلوم دیوبند اور دار العلوم ندوۃ العلماء ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں

دار العلوم دیوبند مارچ کے تیسرے عشرہ کے شروع میں اپنا صد سالہ جشن منعقد کر رہا ہے۔ اس جشن کے انعقاد کا فیصلہ اس کی مجلس منتظمہ نے آج سے سالہا سال قبل جب کہ اس کے قیام پر ایک صدی پوری ہوئی تھی کیا تھا، لیکن ملک کے بدلتے ہوئے حالات اور مختلف اسباب و علل کی بنا پر اس فیصلہ پر عمل درآمد ملتوی رہا (اور پھر یہ التوا ایسا ہوا کہ بظاہر اس کے انعقاد کی توقع زیادہ نہیں رہ گئی تھی) اسی درمیان میں ہندوستان کے مختلف اداروں نے بڑے اجتماعات کئے اور جشن منائے، بالآخر دار العلوم دیوبند نے زیادہ عزم کے ساتھ اپنے صد سالہ اجتماع کو منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور انتظامات تیز کر دیئے۔ اب جب کہ اس کے انعقاد کی متعینہ تاریخیں قریب آگئی ہیں (یہ جشن یقینی بن چکا ہے) اور امید ہے کہ یہ نہ صرف یہ کہ منعقد ہوگا بلکہ دار العلوم دیوبند کی تاریخی شہرت کے شایان شان ہوگا۔

دار العلوم دیوبند کا قیام ملک کے ان نامور اور باخدا علماء نے کیا تھا جن کو ملت کی دشواریوں کا بڑا احساس تھا، اور اس ملک میں اسلامی حکومت کے خاتمہ اور باہری طاقت کی عملداری کے اثر سے مسلمانوں کو مذہب و سیاست کے میدانوں میں جو دھکا پہونچا تھا اس کا ان کو صحیح شعور تھا، اس وقت کے دشوار حالات میں مسلمانوں کے مختلف اصحاب فکر و اخلاص نے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق میدان عمل اختیار کئے، اور ان سے جو ممکن ہو سکی وہ جد و جہد اختیار کی، اس وقت کے میدانوں میں باہری طاقت کا مقابلہ سیاسی میدان میں اور مسلمانوں کو باعزت مقام پر قائم رکھنے کے لئے تعلیمی میدان میں ضروری بند و بست و انتظام تھا، دینی تعلیم جو مسلمانوں کے مذہبی بقاء کا اصل ذریعہ تھی، دار العلوم دیوبند کی جد و جہد کا میدان بنی، اور اس نے اس سلسلہ میں بہت جلد برصغیر اور اس کے اطراف میں دینی تعلیم کے سب سے بڑے ادارہ کی حیثیت اختیار کر لی اور ملت اسلامی کو علماء کی پے بہ پے جماعت مہیا کی، سو سال سے زیادہ طویل تاریخ میں وہاں سے استفادہ کر کے اطراف و بیرون ملک میں ہزاروں ہزار علماء پھیلے ان میں خوش بیان واعظ، عالم و مفتی، خطیب اور اہل قلم ہر طرح کے لوگ تھے انہوں نے مختلف مقامات پر مکاتب اور مدارس قائم کئے اور اپنے مادر علمی سے حاصل ہونے والے فیض کے چھوٹے بڑے دیگر مراکز بھی اطراف ملک میں پھیلا دیئے۔

دار العلوم دیوبند کی تاریخ بڑی عظیم تاریخ ہے، برصغیر اور اس کے اطراف کو اس سے بڑا فیض پہونچا، حدیث و فقہ کے علوم کی بطور خاص بڑی خدمت ہوئی، اور یہ خدمت صرف خدمت ہی نہیں بلکہ اس عہد اخیر کے پر آشوب حالات میں ان کی بڑی حفاظت ہوئی۔

اگر چہ اس میں بھی شبہ نہیں کہ دار العلوم دیوبند اس میدان میں تنہا نہ تھا، بلکہ متعدد مراکز علوم دینیہ اس کے قیام سے قبل اس برصغیر میں کام کر رہے تھے اور انہوں نے دار العلوم دیوبند کی معاصرت کی لیکن ان کے درمیان دار العلوم دیوبند کو امتیاز رہا، اس امتیاز کے تین پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ان سب سے زیادہ شہرت کا مالک رہا، دوسرے یہ کہ اس کو زیادہ وسعت و مرکزیت حاصل رہی، تیسرے یہ کہ مسلمانوں کے اجتماعی اور سیاسی معاملات میں بھی اس نے قیادت فراہم کی، دار العلوم دیوبند کے وابستگان نے غیر ملکی طاقت کو ملک سے نکالنے کی جد و جہد میں پوری شرکت کی اور اس کا اپنے دائرے میں خاصا اثر پڑا۔

دار العلوم دیوبند جن حالات میں قائم ہوا تھا اور اس نے جس طرح کے فضلاء اور قائدین فکر تیار کئے اور جد و جہد کی ایک طویل تاریخ بنائی وہ سب ناقابل انکار حقیقت ہے، البتہ اسی کے ساتھ ساتھ، فکر اسلامی اور تعلیم و تربیت کے مسائل بھی اسلامی معاشرے کی ضرورتوں اور حالات کے تغیر کے ساتھ بدلتے گئے، اور ان کے لئے جد و جہد کے نئے گوشے اور نئے زاویے پیدا ہوتے رہے، ان گوشوں اور زاویوں کو بھی ملت کے چیدہ اہل فکر و علماء نے محسوس کیا اور غور و فکر کے بعد اس کے لئے مناسب منصوبے تیار کئے۔

ان ہی منصوبوں میں انجمن ندوۃ العلماء کا قیام تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان زعماء و علماء مختلف فکری و فقہی گروہوں میں تقسیم ہو کر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جد و جہد میں مصروف تھے وہ اپنی اپنی مصروفیت میں تغیر پذیر زمانہ کے اثرات پر صحیح طور پر غور و فکر اور توجہ نہیں کر پا رہے تھے، علوم دینیہ کی تعلیم و ترویج میں ایک طرح سے محدودیت کا ذہن بن گیا تھا، مدارس عربیہ اپنے سالانہ جلسے منعقد کرتے ان میں فارغین کی دستار بندی ہوتی اور مدرسہ کی تعلیمی سرگرمی کی روداد بیان ہوتی اور جلسہ داد و تحسین کی فضا میں ختم ہوتا، بظاہر بہت اچھا مظاہرہ اور بہت اچھا نتیجہ سامنے آتا، لیکن دوسری طرف ترقی یافتہ یورپ کا لایا ہوا نصاب و نظام تعلیم اپنے اثرات ملک کے عوام و خواص پر پھیلاتا جا رہا تھا، اس میں چمک بھی زیادہ تھی اور دنیاوی افادیت بھی زیادہ تھی، اس نے ملک کے تا حال رائج نظام تعلیم کی دنیاوی افادیت کی جگہ پر پورا قبضہ جما لیا تھا اور اس قبضہ کا رقبہ وہ برابر بڑھا رہا تھا، دینی تعلیم کا رقبہ تنگ ہوتا جا رہا تھا اور بیرونی طاقت کے لائے ہوئے فلسفہ کے مطابق تعلیم، قدیم و جدید کے دو خانوں میں اور امت کے تعلیم یافتہ قدیم و جدید دونوں بالکل مختلف بلکہ متصادم گروہوں میں بٹتے چلے جا رہے تھے، یہ ایک خطرناک صورت حال تھی اور مغربی فلسفہ کے مطابق دین و دنیا کی علیحدگی کی یہ پیہم بڑھتی ہوئی کامیابی تھی۔

انہی حالات میں ۱۳۱۱ھ کا سال تھا، کانپور کے ایک مدرسہ اسلامیہ کے سالانہ جلسہ

○ اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ سولہ روپے ارسال فرمایئے، اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی ہی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ 19/25 روپے کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

تعلیم القرآن

از: مولانا محمد اویس ندوی مرحوم

بات چیت کا ادب

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (بقرہ ۱۰) اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپس میں جب باتیں کی جائیں، تو اچھی باتیں کی جائیں، اچھے انداز سے ہو، بولنے کا لہجہ نرم ہو، بات میں سختی نہ آنے پائے۔ جس سے باتیں کی جائیں اس کے مرتبہ کا لحاظ رکھا جائے، بڑوں سے ادب کے ساتھ اور چھوٹوں سے محبت اور پیار کے ساتھ بات کرنا چاہیئے، زبان سے ایسی بات نہ نکالی جائے جس میں کسی پر طعن ہو، یا جس سے کسی کی ذلت ہو! خدا فرماتا ہے:

وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ۔ (حجرات ۲) اور نہ تم آپس میں ایک دوسرے کو طعن دو اور نہ چڑھ کا نام لے کر پکارو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان نہ طعنہ دیتا ہے، نہ لعنت بھیجتا ہے، اور نہ بد زبانی کرتا ہے! فرمایا جو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے وہ کہے تو اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے!

حضرت حارث بن ہشام نے حضورؐ سے کہا کہ کوئی ایسی چیز بتایئے جس کا میں پابند ہو جاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کو قابو میں رکھو۔

فرمایا، اچھی بات بھی صدقہ ہے۔

بے شرمی کی باتوں سے بچنا چاہیئے، انصاف اور سچائی کی گفتگو کرنا چاہیئے! بات میں جلدی نہ کرنا چاہیئے!، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص آپ کے الفاظ کو گننا چاہتا تو گن سکتا تھا!

جب چند لوگوں کے سامنے بات کہی جائے تو سب کی طرف توجہ رہے، ٹھہر ٹھہر کر ہر ایک کی طرف منہ کیا جائے تاکہ دوسروں کو شکایت نہ پیدا ہو۔

گفتگو مختصر الفاظ میں کرنا چاہیئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ مختصر گفتگو کروں، کیونکہ اختصار بہتر ہے۔

عورتیں جب غیر مردوں سے بولیں تو بات اور لہجہ میں لوچ نہ ہو۔

بات کی جائے تو آہستگی کے ساتھ بے موقع چیخ چیخ کر باتیں کرنا حماقت کی نشانی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو بہت میٹھی ہوتی تھی، آپ بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے۔

سلام کا ادب

وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا۔ (نساء ۱۱)

اور (مسلمانو) جب تم کو کسی پر سلام کیا جائے تو تم (اس کے جواب میں) اس سے بہتر (طور پر) سلام کرو یا (کم سے کم) ویسا ہی جواب دو۔

مسلمان جب ایک دوسرے سے ملیں تو "السلام علیکم" (تم پر سلامتی ہو) کہیں، اس سے برکت ہوتی ہے، آپس میں محبت بڑھتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگے جب تک ایمان نہ لے آؤ، اور اس وقت تک ایمان نہ لے آؤ گے جب تک آپس میں محبت نہ کروگے! میں تم کو ایک ایسی بات بتاتا ہوں کہ جب تم اس کو کروگے تو آپس میں محبت کرنے لگوگے، اور وہ یہ ہے کہ "سلام کو پھیلاؤ" سلام کرنے کے لئے جانے اور انجان بڑے اور بچہ کا فرق نہیں، ہاں ادب کے خیال سے چھوٹا بڑے کو، گذرنے والا بیٹھنے والے کو، اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے، سوار کو پیدل چلنے والے کو سلام کرنا چاہیئے۔

گھر میں جانے کے وقت بیوی بچوں کو سلام کرو،

مجلس سے اٹھ کر جاتے وقت بھی لوگوں کو سلام کرو،

جس کو سلام کیا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ سلام کا جواب اسی طرح یا اس سے اچھے طریقے سے دے! یعنی سلام کرنے والے نے جو الفاظ کہے ہیں ان پر اور مناسب لفظوں کو زیادہ کر دے۔!!

محسن انسانیتؐ نے فرمایا

اسلام میں حکومت کا سب سے زیادہ نااہل شخص وہ ہے جس میں اقتدار کی سب سے زیادہ ہوس ہو۔

عن ابی موسیٰ قال دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا و رجلان من بنی عمی فقال احدھما یا رسول اللہ امّرنا علی بعض ما ولاک اللہ وقال الآخر مثل ذلک فقال انا واللہ لا نولی علی ھذا العمل احداً سألہ ولا احداً حرص علیہ وفی روایۃ قال لا نستعمل علی عملنا من ارادہ۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۰)

ترجمہ: ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں تھا اور میرے ساتھ میرے دو چچا زاد بھائی تھے۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمراں بنایا ہے اس کے کسی حصہ پر ہمیں بھی حاکم بنا دیں اور دوسرے نے بھی یہی درخواست کی اس پر آپ نے ناگواری سے فرمایا خدا کی قسم جو شخص بھی ہم سے حکومت کا طلبگار ہوگا یا اس پر حریص نظر آئے گا ہم اس کو ہرگز حاکم نہیں بنائیں ایک روایت میں یوں ہے جو شخص خود کارندہ بننے کا طالب ہو ہم اس کو اپنا کارندہ مقرر نہیں کریں گے۔

عن عبد الرحمٰن بن سمرۃ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسأل الامارۃ فانک ان اعطیتھا عن مسئلۃ وکلت الیھا وان اعطیتھا عن غیر مسئلۃ اعنت علیھا۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۰)

ترجمہ: عبد الرحمٰن بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی کہ دیکھنا حکومت کی خواہش کبھی نہ کرنا کیونکہ اگر خود سوال کرنے کے بعد تم کو حکومت مل گئی تو خدائی اعانت تمہارے ساتھ نہ ہوگی اور تم کو خود ہی سنبھالنی پڑے گی اور اگر بے مانگے ملی تو اس کے نظام میں خدا تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔

شرح: اس حدیث سے اوپر کی حدیث کی شرح خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے اور یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ جو شخص خود طالب حکومت ہو اس کو شرعاً حاکم بنانا کیوں ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومت اتنی بڑی ذمہ داری ہے جس کو انسان اپنے ضعیف ہاتھوں سے کبھی انجام نہیں دے سکتا جب تک کہ اس کی پشت پر خدائی طاقت نہ ہو اس کو صرف ایک مولویانہ بات نہ سمجھے بلکہ کسی جہاز کے کپتان سے پوچھ کر دیکھ لیجئے جو قسم قسم کے آلات کے باوجود جب سمندر میں اپنے جہاز کو چلاتا ہے تو اس کا تعلق خواہ کسی مذہب سے ہو مگر اس کی نظر ہمیشہ قدرت الٰہیہ پر لگی رہتی ہے کیونکہ اپنی آنکھوں سے وہ یہ دیکھتا رہتا ہے کہ اب اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کی اتنی بڑی زبردست مخلوق کے ساتھ ہے کہ اس کے بڑے سے بڑے جہاز کی حیثیت اس کے مقابلہ میں ایک تنکے کے برابر بھی نہیں بیشک وہ آلات کے ذریعہ یہ پہچان لیتا ہے کہ طوفان فلاں سمت سے آرہا ہے اور کتنی رفتار کے ساتھ آرہا ہے لیکن ابھی تک کوئی آلہ ایسا ایجاد نہیں ہوا جو اس آنے والے طوفان کا رُخ اس کے جہاز کی جانب سے بدل کر دوسری جانب کر سکے اس لئے وہ جانتا ہے کہ ہر قسم کے آلات کے باوجود نجات مشکل ہے اور اس لئے اس کی نظر ہمیشہ زبردست قدرت پر لگی رہتی ہے، اسی طرح جو شخص حکومت کو از خود طلب کرتا ہے اس کو سمجھنا چاہیئے کہ وہ کتنی مختلف طبائع اور کتنے مختلف المزاج لوگوں کی ذمہ داریاں اٹھا سکتا ہے اور اکثر حالات میں ممکن ہے بالخصوص ہمارے دور میں کہ کسی سمت سے بھی اور کسی وقت بھی اچانک انسانوں کے جذبات کا طوفان اٹھ کھڑا ہو تو کیا اس کے دست و بازو میں اتنی طاقت ہے کہ وہ اس کا مقابلہ خود کر سکتا ہے۔

اسلامی قانون میں ظاہری نظام کے ساتھ ہر ہر موقع پر اس کا رشتہ کہیں باطنی نظام سے کٹا ہوا نظر نہیں آئے گا اور یہی مسلمانوں کی اور اسلامی قانون کی بڑی روح ہے جو آج ہمارے موجودہ دماغوں سے نکل چکی ہے مثلاً آفتاب اور مہتاب کا طلوع اور غروب ہونا یہ قدیم فلسفہ میں حرکت فلک اور خود ان سیارات کی حرکت کا نتیجہ تھا اور موجودہ زمانہ میں یہ سب کچھ زمین کی حرکت سے متعلق ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر میں ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک جانب پر زور نہیں دیا گیا لیکن یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ اتنے بڑے بڑے سیارات خواہ کتنے ہی اسباب ظاہری کے ساتھ مربوط نظر آئیں لیکن باطنی نظر میں ان پر خدا کا ایک زبردست فرشتہ بھی مقرر ہوتا ہے جس کے ہاتھوں میں وہ مسخر ہوتے ہیں۔

دستار بندی میں شریک علماء نے ملت کے مسائل پر غور و خوض کیا، ان کے سامنے یہ حقیقت اُبھر کر آئی کہ ملت کے متصادم گروہوں میں وحدت اور نظام تعلیم میں پیدا ہو جانے والی ثنویت کو دور کرنے کی شدید ضرورت ہے کیونکہ مسلمانوں کو ایک طرف اپنی دنیاوی فلاح و بہبود اب اس عصری نظام تعلیم میں نظر آرہی تھی جس کو برطانوی ماہر تعلیم نے رائج کیا تھا اور دوسری طرف ان کے مذہبی و اخلاقی تقاضے قدیم نظام تعلیم کو ترک کرنے سے روکتے تھے جس میں اگرچہ مسلمان حکومت کے خاتمہ سے دنیاوی ترقی و بہبود کی صورتیں ختم ہو چکی تھیں لیکن دینی و اخلاقی و معاشرتی خوبیوں کا انحصار اسی پر تھا، چنانچہ فطری طور پر مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہوتے چلے گئے اور جیسے جیسے دنیاوی مصالح کا اثر دماغوں پر بڑھتا گیا مسلمان نسلیں عصری نظام تعلیم سے ہی وابستہ ہوتی چلی گئیں اور اس طرح مذہبی تعلیمات اور اس کے ماہروں کا اثر بھی کم سے کم ہوتا چلا گیا۔

یہ ایک ایسی صورت حال تھی جس کے تدارک کی شدید ضرورت تھی، تاکہ تعلیم کے دو متضاد پہلوؤں میں تقسیم ہو جانے کے خطرناک اثرات و نتائج سے ملک و ملت کو بچایا جا سکے، کانپور میں شریک جلسہ اہل فکر و علماء نے اس سنگین مسئلہ کو سامنے رکھتے ہوئے ایک انجمن کی داغ بیل ڈالی، اس کا نام ندوۃ العلماء پڑا۔ اس انجمن کا اختلاف یا ٹکراؤ ملت کے لئے کام کرنے والے کسی ادارہ سے نہ تھا بلکہ اس کو ملت کے تمام مخلص گروہوں اور اداروں کی تائید و شرکت حاصل تھی، خواہ وہ دارالعلوم دیوبند ہو یا اس کا ہم مشرب دوسرا ادارہ اور خواہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہو یا ملت کے مقاصد کے لئے کام کرنے والا کوئی دوسرا مرکز، چنانچہ اس کے حامیوں اور مویدوں میں دارالعلوم دیوبند کے علماء و دیگر دینی اداروں کے رہنما اور عصری تعلیم کے ماہرین بھی تھے۔

انجمن ندوۃ العلماء نے ملت کے مخلص گروہوں میں وحدت پیدا کرنے، نظام تعلیم و تربیت سے ثنویت دور کرنے، اور ملت کی ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے جامع نصاب تعلیم ڈھالنے کی اہمیت و ضرورت کی طرف متوجہ کرنے کا فریضہ اختیار کیا، اس کے سالانہ جلسے ہوتے اور بڑے کامیاب اور شاندار ہوتے تھے، ندوۃ العلماء نے چار سال گذرنے پر بطور نمونہ ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی تاکہ اس کے نظریۂ تعلیم و تربیت کے اجراء کا تجربہ ہو سکے، اس طرح ندوۃ العلماء کے کام کے دو شعبے ہوئے، ایک اتحاد و اصلاح بین المسلمین دوسرے نظام و نصاب تعلیم کی اصلاح کا اجراء۔

ندوۃ العلماء نے اپنے دونوں شعبوں کے ساتھ جد و جہد جاری رکھی، اور اس کے سالانہ جلسے بھی کامیابی کے ساتھ ہوتے رہے لیکن حالات کے تغیرات اور وسائل کی کمی کیوجہ سے کام میں تدریج رکاوٹیں پیش آئیں اور ۳۰ سال بعد اس کے سالانہ جلسوں کا جاری رہنا مشکل ہو گیا اور ندوۃ العلماء کی جد و جہد کا بڑا حصہ صرف اس کا دارالعلوم رہ گیا لیکن کام کی اہمیت کا احساس رکھنے والوں نے کوشش جاری رکھی، اور بالآخر ۱۳۹۵ھ میں تقریباً ۸۵ سال کے بعد ایک بڑا اجتماع منعقد کرنے کا موقع پیدا ہوا۔

ندوۃ العلماء کا یہ اجتماع اس کا ۸۵ سالہ جشن کہلایا اور اس میں اندرون ملک کے حاضرین کے علاوہ بیرون ملک کے تقریباً ۷۲ نمائندوں نے شرکت کی جو تیرہ[13] مختلف ملکوں سے آئے تھے۔ اس اجتماع میں ملت کے مسائل و حالات کا جائزہ لیا گیا، مسلمانوں کے وجودی نظام تعلیم رائج کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے میدان میں عصر جدید میں حاصل ہونے والے نئے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت کی طرف توجہ دی گئی۔ اور مغربی نظام تعلیم کے اثر سے پیدا ہونے والے معاشرتی و علمی مسائل کے لئے صحیح اور مناسب حل تلاش کرنے کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا گیا۔

یہ جشن ملی مسائل کا احساس رکھنے والوں کے لئے غور و فکر کا ایک اچھا موقع تھا، ایسے اجتماعات جس ادارہ کی طرف سے بھی ہوں اور جہاں ہوں وہ لائق تائید و ہمت افزائی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند نے جس نظریۂ تعلیم کے مطابق جد و جہد کی اگرچہ ندوۃ العلماء نے اس میں کچھ نئی تجویزیں اور مشورے پیش کئے اور ان کی وجہ سے دونوں اداروں کے درمیان کچھ ظاہری اختلاف سمجھا گیا لیکن در اصل دونوں اداروں کی اصل بنیاد ایک ہے، دونوں کا تعلق ایسا ہی ہے جیسا کھجور کے ان دو درختوں کے ہیں جو ایک جڑ سے نکلتے ہیں اور جن کو قرآن مجید کی اصطلاح میں صنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی کوئی تقریب ہو یا دارالعلوم دیوبند کی دونوں ایک خاندان کی تقریبیں ہیں اور ان کی کامیابی و عزت خاندان کے ہر فرد کی کامیابی و عزت ہے اس لئے دارالعلوم دیوبند کے اس اجتماع صدسالہ (جشن) کو اہل ندوہ اسی جذبہ و مسرت سے دیکھتے ہیں جس جذبہ و مسرت سے ایک بھائی دوسرے بھائی کی تقریب و مسرت کو دیکھتا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا یہ اجتماع ملت کے لئے ایک مفید اجتماع ہوگا اور عصر حاضر میں ملت کی تعلیم و تربیت، اصلاح و ترقی، اور فلاح و بہبود کی راہوں میں جو دشواریاں یا تقاضے ہیں ان پر غور کرنے اور مشورہ کرنے کا ایک عظیم و مفید موقع ہوگا، اور یہ اجتماع بہتر سے بہتر نتائج کا حامل ہوگا۔

دارالعلوم دیوبند برصغیر میں بسی ہوئی مسلم امت کا قیمتی سرمایہ، علوم دینیہ کا ایک بڑا قلعہ ہے، اس کے شجر علمی کی آبیاری میں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی جیسے مایہ ناز علماء و اہل دین نے کی۔

بقیہ صٓ ۱۰

بھی وہاں مشینوں کی کثرت کے باوجود انسان کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور اس کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔"

"اس وقت جو ایک عام ذہنی انتشار اور ایک قسم کی مایوسی ملت پر پھیل رہی ہے اور ملت کی صلاحیت کی طرف سے اور دین میں جو صلاحیت ودیعت کی گئی ہے، اس صلاحیت کی طرف سے یا دین کے مستقبل کی طرف سے جو بدگمانی اور بد اعتمادی پھیل رہی اسکو دور کرنے کے لئے بہت زیادہ تیاریوں کی ضرورت ہے، اس سے بہت زیادہ کاوشوں، دلسوزیوں اور دماغ سوزیوں کی ضرورت ہے جو ہمارے اسلاف نے کیں۔"

"اس لئے تحقیق اور مطالعہ کا میدان بہت وسیع ہو چکا ہے قدیم ذخیرے بلکہ قدیم دفینے جو پہلے علماء کے خواب و خیال میں بھی نہیں آتے تھے اب عام ہو چکے ہیں، سوچنے کے طریقے اور مطمئن کرنے کی صلاحیت اتنی مختلف ہو گئی ہے کہ ان میں قدیم طرز کی بالکل تقلید نہیں کی جا سکتی۔"

وقت کے فتنے کیا ہیں؟ ان کے تقاضے کیا ہیں؟ اور ہمیں کن تیاریوں کی ضرورت ہے۔ ان سوالات کا تشفی بخش جواب بلکہ بالفاظ دیگر زندگی کا سراغ اس بیش قیمت صحیفہ میں مل جائے گا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حجاز مقدس کے لئے روانہ

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی ۲۴ر فروری کو لکھنؤ سے بمبئی کے لئے روانہ ہو گئے۔ ۲۵، ۲۶ر تاریخ کو مجلس مشاورت کے اجلاس میں شرکت کریں گے اور ۲۷ر کو حجاز کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ مولانا مکہ مکرمہ، ریاض اور مدینہ منورہ تشریف لے جائیں گے۔

وہ موتمر الفقہ اور المجلس الاعلیٰ للمساجد اور دیگر کانفرنسوں میں شریک ہونگے اور تقریباً ایک ماہ کے بعد ہندستان واپسی متوقع ہے۔

ان کے ہمراہ عبداللہ محمد الحسنی سکریٹر التحریر الرائد ہوں گے۔

ہدیۂ مسرت و اخلاص

بخدمت جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دام مجدہ

۴ر فروری سنہ کو فیصل ایوارڈ کے سلسلہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو دارالمصنفین اعظم گڈھ کی طرف سے ایک خصوصی جلسہ میں جس میں شہر کے پڑھے لکھے اور ممتاز حضرات شریک تھے سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ سپاسنامہ جذبات عقیدت و محبت کے ساتھ ساتھ ادب و زبان کا بھی شاہکار ہے اور فخر غیور کی سحر انگیزی اور محبت فاتح عالم کی مختصر تاریخ بھی۔ سپاسنامہ پیش کرنے والے کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا سے عقیدت بے پناہ کے باوجود اس کمال و خوبی سے اس کو ادا کیا ہے کہ گویا انہوں نے مولانا نہیں بلکہ خلوص و للہیت کے علمبرداروں کی شان میں زبان مدح و ثنا کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ سپاسنامہ ایک باکمال علمی و ادبی اسلوب کا حامل ہے۔ اس میں مولانا مدظلہ کا دارالمصنفین کی شخصیتوں سے تعلق، مولانا کا تصنیفی و علمی مقام نیز زاہدانہ و دینی مزاج نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

سپاسنامہ اپنے شاندار اور کامیاب اسلوب و بیان کی وجہ سے اس بات کا پوری طرح مستحق ہے کہ اہل علم و ادب اس سے ذوق حاصل کریں، ہم اپنے قراء کے فائدہ و دلچسپی کے لئے اس کو یہاں پیش کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

جناب محترم! آپ یہاں اپنے شباب کے عنفوان کے ساتھ بھی آئے، آپ یہاں علامہ شبلیؒ کی عظمت اور عقیدت کے بار سے جھکے ہوئے بھی آئے، آپ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ایک عزیز شاگرد کی حیثیت سے ان کے احترام کا جلوس لے کر بھی آئے، آپ مولانا عبدالسلام ندویؒ کی ادبی نکتہ پروری کے معترف بن کر بھی آئے، آپ مولانا مسعود علی ندویؒ کی انتظامی کارکردگی اور ان کی خوش بیانی کے مادح بن کر بھی آئے۔ آپ مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ کو اپنا بڑا بھائی بنا کر ان کی محبت و شفقت سے لطف اندوز ہونے کے لئے بھی آئے۔ آپ مولانا عبدالسلام قدوائیؒ کی ہمدمی اور ہم قدمی سے لذت اٹھانے کے لئے بھی آئے، اس خاکسار کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے لئے بھی آئے، دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ کے ایک معزز رکن کی حیثیت سے بھی آئے، پھر اس ادارہ کے روح رواں بن کر بھی آئے، یہاں کے رفقاء کے شفیق علمی رہنما بن کر بھی آئے۔

جناب عالی! حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ آپ کی کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ کو پڑھ کر آپ کے علمی مستقبل کی تابانی و درخشانی کے قائل ہوئے، مولانا عبدالسلام ندویؒ نے آپ کے ادب و انشاء میں ہیرے کی کنی پائی، مولانا مسعود علی ندویؒ کو محسوس ہوا کہ آئندہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کو جس قیادت اور نظامت کی ضرورت ہوگی وہ آپ کی ذات گرامی سے حاصل ہو جائے گی، جناب مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ آپ کی سیرت کی طہارت، کردار کی بلندی، تحریر کی شگفتگی اور دل آویزی اور آپ کی کتاب ارکان اربعہ کے شیدائی رہے اور اس کو جدید حجۃ اللہ البالغہ قرار دیا، مولانا عبدالسلام قدوائیؒ آپ کے متعلق باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ منہ میں مصری کی ڈلی چبا رہے ہیں۔ یہ خاکسار چوالیس سال سے آپ کے جلوۂ صد رنگ نہیں بلکہ جلوہ ہائے ہزار رنگ دیکھ رہا ہے، ہر بار ان جلووں میں پہلے سے کچھ زیادہ ہی تابانی پاتا ہے، ہمارے رفقاء آپ کی جو بھی کتاب پڑھتے ہیں، خواہ "وہ مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا" ہو یا "تاریخ دعوت و عزیمت" ہو یا "مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت" ہو، یا "تذکرہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ" ہو یا "سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ" ہو، یا "مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش" ہو، یا "نقوش اقبال" ہو، یا "نبی رحمتؐ" ہو، ہر ایک کو وہ ایمانی حرارت مذہبی حمیت اور ملی غیرت کا گلکدہ اور عشرت کدہ پاتے ہیں۔

عالیجناب! دارالمصنفین کے اس احاطہ میں آپ مختلف حیثیتوں سے دیکھے گئے، مگر اس بار آپ کی تشریف آوری سے فضا کا کچھ اور ہی رنگ ہے، یہاں کے در و دیوار آپ کی تعظیم میں اس لئے جھکے ہوئے ہیں کہ آپ کی دینی خدمت، ایمانی ولولہ، عمل صالح، اخلاق کی پاکیزگی اور علمی دعوت و عزیمت کی بدولت عالم اسلام نے بھی آپ کو نادرۂ روزگار اور فخر اسلام تسلیم کر لیا، جس سے ندوۃ العلماء، دارالمصنفین اور اس ملک کو بھی بڑی مسرت ہے۔

جناب والا! صوفیائے کرام کا یہ مسلک رہا ہے کہ جب وہ دنیا کو چھوڑ کر اس سے بھاگتے ہیں تو دنیا خود ان کے پیچھے پیچھے چلتی ہے اور جو لوگ دنیا کے پیچھے دوڑتے ہیں دنیا ان سے پیچھا چھڑایا کرتی ہے، آپ نے دنیاداری سے منہ موڑا تو دنیا آپ کے قدموں پر آ گری۔ امیر فیصل ایوارڈ آپ کو اس لئے دیا گیا ہے کہ خود اس ایوارڈ کو اس سے عزت حاصل ہوئی اور یہ حقیقت ہے کہ جس ادارہ نے یہ ایوارڈ دیا ہے اس کو دیتے وقت یہ ہچکچاہٹ ضرور محسوس ہو رہی ہوگی کہ آپ اس کو قبول کریں گے بھی کہ نہیں، کیونکہ آپ کی زندگی میں بے نیازی و استغناء کے جو جلوے رہے ہیں ان سے آپ کے واقف کار اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ نے بڑے سے بڑے ذاتی اعزاز اور مالی امداد کو بزرگان سلف ہی کی طرح قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

محترم جناب! تاریخ اسلام میں استغناء اور بے نیازی کی بہت سی روح پرور مثالیں ہیں، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ حمص کے حاکم سعید بن عامرؓ اپنے اعلیٰ عہدہ کے باوجود فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے ہیں تو ان کی مالی امداد کے لئے اشرفیوں کی ایک تھیلی ان کے پاس بھیجی، جب قاصد نے ان کے دروازہ پر پہنچ کر اشرفیوں کی تھیلی پیش کرنی چاہی تو وہ چیخ اٹھے انا للہ وانا الیہ راجعون، ان کی بیوی زنان خانہ سے دوڑتی ہوئی آئیں اور پوچھا کیا امیر المومنین کی وفات ہو گئی؟ تو وہ بولے اس سے بھی بڑا حادثہ پیش ہونے والا ہے، دنیا گھر میں داخل ہونے کو ہے، پھر قاصد کو شکریہ کے ساتھ واپس کیا۔ حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا، اسلام ایسے ہی لوگوں سے زندہ رہے گا۔ محمود غزنوی حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کی زیارت کو گیا تو اس نے اشرفیوں کی ایک تھیلی نذرانے میں پیش کی، مگر انہوں نے اس کو قبول کرنے سے پہلے اپنے جھولے سے نان جویں کا ایک ٹکڑا محمود غزنوی کو کھانے کو دیا، اس نے کھایا تو وہ حلق میں اٹک گیا جس سے وہ پریشان ہوا، یہ دیکھ کر شیخ ابوالحسن خرقانیؒ نے فرمایا کہ یہ اشرفیاں میرے گلے میں اسی طرح اٹک کر رہ جائیں گی، تم ان کو واپس لے جاؤ — حضرت

شرف الدین یحییٰ منیریؒ کو فیروز شاہ تغلق نے ایک بڑی جاگیر کا فرمان بھیجا، انہوں نے سلطان کے دربار میں دہلی پہونچ کر اس فرمان کو یہ کہہ کر واپس کیا کہ یہ میرے کام کا نہیں، مگر جب وہ رخصت ہونے لگے تو سلطان نے کچھ اشرفیاں نذرانے میں دیں، وہ دربار سے باہر آئے تو اسی وقت ان اشرفیوں کو غربا اور مساکین میں لٹا دیا۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ فرماتے کہ دولت پر جھاڑو پھیر دینے سے تجرید و تفرید کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

مکرم جناب! آپ کے رتبہ شناس خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ اپنے استغنا اور تصفیۂ قلب سے دنیا کو اپنے گھر کے اندر آنے دینا پسند نہیں فرماتے اور نہ اپنے حلق میں اشرفیوں کو اٹکتے ہوئے دیکھنا گوارہ کرتے ہیں اور اگر آپ نے کوئی رقم قبول بھی کی تو غریبوں اور ضرورت مندوں میں خرچ کرنے ہی میں لذت محسوس کی اور دولت پر جھاڑو پھیر کر تجرید و تفرید کے مدارج طے کیے۔

گرامی قدر! حضرت عبید اللہ احراری کا واقعہ مشہور ہے وہ بہت دولت کے مالک تھے، وہ اپنی دولت سے حکمران وقت کی بھی مدد کرتے رہے، ان کی تجارت کا بہت ہی قیمتی سامان کا ایک جہاز آرہا تھا کہ ان کو خبر دی گئی کہ پانی میں ڈوب گیا، یہ خبر پاتے ہی الحمد للہ کہا اور قلب پر ہاتھ رکھ کر خوش دکھائی دئے پھر خبر ملی کہ وہ جہاز صحیح سلامت ہے اور ساحل پر پہنچ گیا ہے تو پھر الحمد للہ کہا اور اپنے قلب پر ہاتھ رکھ کر پہلے کی طرح خوش دکھائی دیئے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت جہاز کے ڈوبنے اور اس کے بچ جانے پر بھی الحمد للہ کہہ کر خوش نظر آئے، اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ جہاز کے ڈوبنے پر دل کو ٹٹولا کہ اس کی حرکت میں خلل تو نہیں پڑا، کوئی خلل نہیں پایا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرکے خوش ہوا، پھر جہاز کے محفوظ رہنے کی خبر ملی تو پھر دل کو ٹٹولا کہ اس خوشی میں دل کی حرکت میں کوئی فرق تو نہیں آیا؟ دل کو اپنی جگہ پایا تو پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور خوش ہوا۔

جناب عالی! آپ کے جاننے والے یہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اس ایوارڈ کے اعزاز سے آپ کا دل دنیاوی آلائشوں سے پاک رہ کر ویسا ہی رہا جیسا کہ پہلے تھا اور اگر آپ نے اس کو راہ خدا میں صرف کر دیا تو آپ کے دل کے اندر اس سے کہیں زیادہ نشاط، انبساط، شادمانی اور روحانی کامرانی کی لذت پیدا ہوگی جو کسی اور کو اتنی بڑی رقم پانے کے بعد حاصل ہوتی، آپ کی انہی خوبیوں کی بنا پر آپ کے ملنے والے کہہ اٹھتے ہیں ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

پیارے جناب! آپ کی خدمت میں ہدیۂ تہنیت نذر کرنے کے بجائے ندوۃ العلماء اور دار المصنفین کو ہم سب مبارکباد دیتے ہیں۔ آپ کی ذات گرامی کے کوہ نور سے یہ دونوں ادارے جگمگا رہے ہیں، ہم ہندوستان کے علمی اور دینی حلقوں کو بھی مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ آپ کی وجہ سے ان کے وزن اور وقار میں اضافہ ہوا، ہم اپنے ملک کو بھی مبارکباد دیتے ہیں کہ آپ کی ذات گرامی سے اس کو بھی ایک گوہر شب چراغ مل گیا ؎

اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت می کنم در حسن ازاں زیباتری

آخر میں ہم سب کی دعا ہے کہ آپ مدت مدید تک صحت مند رہ کر دین و ملت اور ملک کی ایسی خدمت فرماتے رہیں کہ اس سے آپ کو دنیا سے زیادہ آخرت میں اعلیٰ و ارفع مدارج حاصل ہوں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

دار المصنفین
۱۶ر ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ
مطابق
۴ر فروری سنہ ۱۹۸۰ء

ہم ہیں آپ کے مخلص اور عقیدتمند خدمت گزاران دار المصنفین

افغانوں پہ کیا گذری؟

اسرار احمد سہاروی

یکایک جنونِ حشق کے ماروں پہ کیا گزری
ہرات وغزنی وکابل کے افغانوں پہ کیا گزری

اذانوں سے جنھوں نے بھر دیا تھا کوہ و صحرا کو
کوئی بتلاؤ ان ذی ہوش دیوانوں پہ کیا گزری

جہادِ عشق دستی میں لئے پھرتے تھے جو جاں کو
کسی کو ہے خبر کچھ ان کے نذرانوں پہ کیا گزری

ملے غیرت ملی تھی ماں کے سینے سے انھیں ہمدم
ہماری غیرتِ دیں کے نگہبانوں پہ کیا گزری

سلاسل کو غلامی کی جنھوں نے کاٹ کر پھینکا!
شرابِ حریت کے ایسے سرشاروں پہ کیا گزری

ہرات و کاشغر کو روند ڈالا رُس کے قدموں نے
سمرقند و بخارا کے چمن زاروں پہ کیا گزری

ہوئے سینہ سپر وہ کفر کی یلغار کے آگے
امام الانبیاء کے رخ کے پروانوں پہ کیا گذری

شہیدوں کے لہو سے ہو گئے رشکِ ارم صحرا
مگر پرکیف اور آباد گل زاروں پہ کیا گزری

مجاہد تو ہوئے ہیں سرخرو میدان میں جاکر
مگر معصوم و عفت کیش مہ پاروں پہ کیا گزری

ہوس کی آگ نے آباد گھر ویران کر ڈالے
شہیدانِ وفا جو کے جگر پاروں پہ کیا گزری

ہماری شامتِ اعمال نے یہ دن دکھائے ہیں
عدو کے گھر چراغاں ہے مسلمانوں پہ کیا گذری

بقیہ صہ ۱۱

آتی ہے اسی کا نام حیا، ہے۔ ابو عبد الرحمن سلمی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا اسماعیل بن نجید کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابو العباس بن عطا، حضرت جنید کی خدمت میں عالم سکرات کے وقت حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ حضرت جنید نے جواب نہیں دیا پھر کچھ ہی دیر کے بعد سلام کا جواب دیا اور فرمایا ورد میں مشغول ہونے کی بنا پر جواب سے معذور تھا۔ پھر اپنے چہرے کو قبلہ رو کیا اور تکبیر الہی کے ساتھ جان جان آفریں کے سپرد کی۔

ابو محمد حریری کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن حضرت جنید کی وفات کے وقت میں ان کے سر کے پاس کھڑا تھا وہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے، میں نے ان سے عرض کیا ابو قاسم آرام کر لیجئے۔ فرمایا، ابو محمد میرا خیال ہے کہ مجھ سے زیادہ محتاج و ضرورت مند اس وقت کوئی نہ ہوگا جبکہ میری شمع حیات گل ہونے والی ہے۔

یہ ابو قاسم جنید بن محمد بن محمد تھے جن کو سارا عالم امام ربانی، جماعت کے سرخیل اور امام راہ طریقت کے القاب سے جانتا ہے۔ آپ نے قرب الہی میں رہ کر محبت و معرفت حقیقی کا پرچم لہرایا اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ رکھا اور اسی کے آگے سرنگوں رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مرتبہ کو بلند کیا اور ان کو شرف قبولیت سے نوازا اور لازوال نعمتیں عطا کیں۔ یہی اس کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ رہتا ہے۔ ان شہادتوں کی روشنی میں ہمیں ان کی زندگی سے سبق حاصل کرنے اور ان کے کلمات عالیہ سے جن کو ہم نے ابھی ابھی پڑھا۔ ان پر عمل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم قرب الہی کے حقیقی لذت سے آشنا و تسکین اور اس کی ذات اور محبت میں فنا ہونے کی حلاوت محسوس کر سکیں۔

بخارا سے کابل تک اشتراکی یلغار

عالم اسلام کے لئے موت و زیست کا نیا تاریخی سائرن

از: سید حبیب الحق ندوی

اقوام متحدہ میں امن عالم کے پانچ مجاوروں اور متولیوں میں سے ایک متولی نے ولایت کا دائرہ بخارا سے کابل تک بڑھا دیا۔ ہرات و پشاور کی سرحدوں تک تولیت کی پیش قدمی نہ صرف حضرت سید احمد شہید اور اسماعیل شہیدؒ سرفروشان راہ اسلام کی روح کے لئے چیلنج ہے بلکہ سارے عالم اسلام کے لئے عموماً اور شرق اوسط نیز جنوب شرقی ایشیا کے لئے خصوصاً موت و زیست کا نیا تاریخی سائرن ہے۔ اگر امت مسلمہ اس سائرن کو سن کر دوبارہ خواب غفلت میں سوگئی تو پھر حشر کی منزل دور نہیں۔ اسلامی ماوراء النہر کا حشر عالم اسلام کے سامنے ہے۔

اقوام متحدہ میں اپنی پاکبازی اور دیانت داری کی قسمیں کھانے والے حقوق غریباں کے تحفظ کے دعویدار، تہذیب کے ٹھیکیدار صورت و شکل میں تو انسان نظر آتے ہیں مگر عزائم و خواہشات میں درندوں سے بھی زیادہ خوفناک ہیں۔ مجاوروں میں برطانیہ، فرانس، امریکہ اور چین بھی ہیں۔ ان مجاوروں کے دور میں ہر روز بیواؤں کی سسکیوں، نیم جانوں کی ہچکیوں اور یتیموں کی چیخوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا۔ سارے عالم میں خانہ بربادوں (ریفوجی) کا قافلہ بے یار و مددگار، بے غمگسار و دلدار ادھر سے ادھر بے سہارا مارا پھر رہا ہے، ہتھیار کی تجارت پر فروغ معاشیات کی بنیاد ہے اور خونریزی پر صلاح و فلاح کا مدار۔ آج سچ تو یہ ہے کہ شیروں مان، درندوں کے بھٹ اور سانپوں کے بل میں زیادہ امن ہے مگر انسانی آبادیاں امن سے خالی ہیں۔ درندے بھی اپنے ہم جنسوں کو اس طرح نہیں کھاتے جس طرح انسان انسان کو کھا رہا ہے۔ آبادیوں کی جگہ ویرانے میں اور زندگیوں کی جگہ موت کے بھیانک جنگل۔ آج برطانیہ پاکباز، باصفا صوفی صفت بنا پارسائی کا دعویٰ کر رہا ہے، جیسے پانچ مجاوروں میں واحد معصوم مجاور ہو لیکن سچ تو یہ ہے کہ بیسویں صدی کے تمام آفات اور عالمی انتشار کا ہیرو برطانیہ ہے۔ پہلی و دوسری جنگ عظیم سے لے کر فلسطین تک کی ویرانی کا دلہ ہے۔ آج قدرت نے اسے سک مین آف یورپ - Sick man of Europe - ضرور بنا دیا ہے لیکن ابھی ہم اس اژدہے کا زہر ہنوز باقی ہے۔ برطانیہ کا تاریخی رقیب فرانس تیسرا مجاور اقوام متحدہ بھی ظلم و فساد کی امامت میں کم نہیں سارے شرق اوسط میں جہاں جہاں استعماری قوت اسے حاصل رہی اس نے وہاں کے دین، زبان و ثقافت کے نقشے مٹا دیے۔ اسلام کی بیخ کنی میں دونوں حلیف بنے رہے۔ امریکہ تیسرا مجاور ہے لیکن اس کا زوال و عروج سے پہلے ہی شروع ہو گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے امریکہ کا نام سنا جانے لگا، لیکن فطری بے وفائی، خود غرضی اور فرض ناشناسی کی وجہ سے محض تین عشروں میں اس کا زوال اس طرح شروع ہوا کہ سارے عالم میں امریکی نام پر نفرت و حقارت کی آگ برسنے لگی۔ سلب و نہب، حکومتوں کے تختوں کو الٹنے پلٹنے اور جھپٹنے میں عیاری و مکاری کی وجہ سے امریکہ رسوائے عالم ہے۔ فلسطین کے قضیہ میں جو کردار اس نے ادا کیا ہے اس کی قیمت اسے اسی سرعت کے ساتھ ادا کرنی پڑے گی کہ انسانی تاریخ اسے دیکھ کر حیرت میں پڑ جائے گی۔ اقوام متحدہ کا پانچواں متولی چین ہے جسے آئے ہوئے ابھی چند سال بھی نہیں ہوئے ہیں۔ طفل مکتب کے دور میں ہے اور چار بڑے متولیوں کی امامت میں مقتدی بنا ہوا ہے۔

انھیں پانچ مجاوران امن عالم کے آگے دنیا سربسجود ہے اور انصاف کے بھکاری کی حیثیت سے سر نیاز خم کئے ہوئے ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ ؎

وہی قاتل وہی شاہد وہی منصف ٹھہرے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

اور ؎

بنے ہیں اہل ہوس مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں

اس وقت اس کا وقت نہیں کہ پنج تن پاک کے کردار کا زائچہ یا نامۂ اعمال پیش کیا جائے۔ ان میں سے صرف ایک کے ماضی کی نقاب کشائی کافی ہے۔ اشتراکی روس جس جرأت و جسارت کے ساتھ "چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد" کی مصداق بن کر مرحوم اسلامی ماوراء النہر اور مغفور بخارا و سمرقند سے ؎

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

سے ہوتا ہوا کابل و ہرات تک صف آرا ہو گیا، وہ عجوبۂ روزگار سے کم نہیں۔ اسی اشتراکی اژدھے افعی نے مشرقی پاکستان کو ڈسا تھا اور اب یہی اژدہا ملتان و ہرات کی سرحدوں سے گردن اٹھا کر ہندو دیش کا زہر پھیلانے والا ہے اور پھر بلوچستان سے گرم پانی میں اتر کر غسل کرنے والا ہے، دوربین مسلم نگاہیں اگر اس روز بد سے متنبہ ہو کر اشتراکی روس کے خلاف صف آرا نہ ہوئیں تو خاکم بدہن ایک دن جنوبی مشرقی ایشیا کا حشر بھی سنٹرل ایشیا یا ماوراء النہر کا سا نہ ہو جائے۔ تاریخی حوادث دیومالائی قصے نہیں سائرن کی گھنٹیاں ہیں۔ جو قومیں ہوشیار ہو جاتی ہیں، جاگ جاتی ہیں وہ بچ جاتی ہیں اور اپنی عمر میں کچھ صدیاں اور بڑھا لیتی ہیں لیکن جو سائرن کو سن کر بھی سو جاتی ہیں وہ گویا موت کی نیند میں سو جاتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہر مسلم نوجوان، عورت و مرد عاقل و بالغ ماوراء النہر کی موت کا مرثیہ سنے تاکہ بروقت اس کی آنکھیں کھل جائیں۔ اشتراکی روس اور ماوراء النہر سے اسلام کی بیخ کنی کی داستان جگر فگار ملاحظہ ہو:۔

کسی بھی فرد، قوم یا ملک کے حال کو ماضی سے کاٹا نہیں جا سکتا۔ ماضی، حال اور مستقبل سب تاریخ کی کڑیاں ہیں جو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں۔ بلاشبہ فرد یا قوم کی پالیسی میں تغیر و تبدیلی واقع ہوتی ہے لیکن ہر تبدیلی کے پس منظر میں ماضی کی جھلکیاں موجود ہوتی ہیں۔ اس دعوے کی دلیل میں محض تاریخی شواہد کافی ہیں۔ بذریعہ بحث تاریخ کا خلاصہ یہاں صرف اتنا ہے کہ زار روس نے اسلامی وسط ایشیا پر قبضہ کیا اور ۱۹۱۷ء کے بعد اشتراکی روس نے ان علاقوں سے اسلام کی بیخ کنی کر دی اور آج بھی جہاں جہاں اشتراکی روس کا قدم جما وہاں سے اسلام کی بیخ کنی اس طرح کی گئی جس طرح ماوراء النہر سے اسلام کو مٹایا گیا۔

زار روس نے کس طرح اسلامی ماوراء النہر پر قبضہ کیا اور اشتراکی روس نے ان علاقوں سے کس طرح اسلام کی بیخ کنی کی اور بیخ کنی کی وہی داستان اشتراکی شرق اوسط میں گذشتہ چند عشروں میں کس طرح دہرائی گئی؟ یہ بڑے اہم سوالات ہیں جو تامل و تدبر کے محتاج ہیں۔ ان تاملات سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ محض یہ ہے کہ روس کو مسلمانوں یا ان کے قضیہ سے دلچسپی نہیں بلکہ ان کے علاقوں میں محض اپنے اثرات اور اسٹریٹیجی کا تحفظ اس کا مقصد اولین ہے۔

ماوراء النہر یا اسلامی وسط ایشیا کا تاریخی پس منظر:

بغداد کے بعد علوم اسلامیہ کا دوسرا بڑا علمی، تاریخی اور ادبی مرکز مسلم وسط ایشیا تھا جو آج اشتراکیت کی گود میں ایک سرد لاش ہے۔ سمرقند اور بخارا کی یاد کو کوئی حساس طالب علم کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ وسط ایشیا یا ماوراء النہر جسے ٹرانس اوکسیانا (TRANSOXIANA) بھی کہا جاتا ہے۔ تاریخ کے اجالے میں ایرانی شاہ سائرس (CYRUS) کے زمانے میں آیا جب عظیم سلطنت (ACHAEME-NID EMPIRE) کی داغ بیل پڑی اس کی گود سے مختلف مذاہب اور ثقافات نے نشو و نما پائی۔ یہاں بدھ مذہب کے اثرات بھی رہے، کنشک اور کشان کے عہد سلطنت میں بدھ مذہب اور اس کے ادب کو سغد اور چینی زبانوں میں منتقل کیا گیا۔

۸۷ء میں قتیبہ بن مسلم کی قیادت میں ماوراء النہر اسلام کے زیر اثر آیا مگر

ریکارڈ پہلوی زبان سے عربی میں منتقل ہوا۔ اموی دور تک یہاں عربی اثرات زبان و ادب کا غلبہ رہا۔ امیہ کے بعد عباسی دور میں ماوراء النہر علم و ادب کا مرکز بن گیا۔ اسلام نے نہ صرف شرق اوسط بلکہ ماوراء النہر کو بھی ایسی وحدت عطا کی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ جامعہ ہارورڈ کا استاد رچارڈ۔ان فرائی اپنی کتاب بخارا میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے:۔

ISLAM GAVE THE ENTIRE NEAR EAST INCLUDING TRANSOXIANA A UNITY WHICH IT HAD NOT ENJOYED SINCE THE ACHAEMENIDS AND ALEXANDER THE GREAT.
(P. 29)

اسلام نے جو روحانی دولت ان علاقوں کو عطا کی وہ یونانی ثقافت یا ہلنزم (HELLENISM) نہیں دے سکی۔
(نفس مرجع صفحہ ۲۹)

دور اسلام میں بخارا عالمی شہرت کا مالک بن گیا۔ اسپین اور چین تک اس کے غلغلے رہے۔ یہیں سے فارسی ادب و زبان کا ظہور و ارتقاء ہوا۔

....BUKHARA, UNDER ITS LOCAL LORDS HAD BEEN AN IMPORTANT CITY CENTER, BUT UNDER ISLAM IT BECAME A WORLD-CITY KNOWN TO THE PEOPLE AS FAR AS SPAIN AND CHINA.
(P. 29)

وسط ایشیا کے معروف مورخ برتھالڈ (BERTHOLD) نے اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ موصوف کے خیال میں نویں صدی عیسوی تک سارا علاقہ زیر اسلام آچکا تھا اور یہ علاقہ خلافت عباسیہ کا ایک صوبہ تھا۔ لیکن یہاں چھوٹی چھوٹی ریاستیں بنتی اور مٹتی رہیں۔ مثلاً طاہری خاندان (۸۲۰–۸۷۲) سفاری (۸۶۷–۹۰۳) سامانی (۸۷۴–۹۹۹) غزنوی (۹۸۰–۱۱۸۷) سلجوقی (۱۰۳۷–۱۳۰۰) منگول (۱۲۵۶–۱۳۳۵) تیمور (۱۳۸۰–۱۴۰۵) اور صفوی (۱۵۰۲–۱۷۲۲) آخریں قاچار حکمران کے عہد میں ترقی کے ساتھ شکست و ریخت اور پیکار بھی جاری رہا۔ خلافت کے خود مختار گورنروں نے اپنی خاندانی حکومتیں قائم کرلیں۔ مرکزی حکومت کو صرف ٹیکس ادا کرتے رہے۔ بخارا میں جو اوائل دور عباسی تک خراسان کے ماتحت تھا۔ مامون کے گورنروں نے باری باری اپنے خاندان کی حکومت قائم کی۔ سامانی عہد زریں میں بخارا بغداد کا مد مقابل تھا۔ بلاد عثمانیہ کے علماء، ادباء، شعراء سمٹ کر یہاں آگئے۔ امیر نصر اور اس کے وزراء جیہانی اور بلعمی کے دور میں بخارا اسلامی ثقافت کا مرکز بن گیا۔ سائنس، علم نجوم، تاریخ، جغرافیہ، فقہ، حدیث و تفسیر کے ساتھ عربی و فارسی ادب و شاعری کا ریسرچ سنٹر بن گیا علوم عربیہ کے تراجم فارسی زبان میں ہوئے تفسیر طبری اور تاریخ طبری کے فارسی ترجمے ہوئے فرزدق اور ابن الرومی کے اشعار فارسی میں منتقل کئے گئے۔ امیر نصر بن احمد کا درباری شاعر رودکی ابتدائی فارسی شعراء کا امام بھی تھا۔ گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی کے فارسی شعراء نے اس کا تتبع کیا جذبات نگاری اور قصیدہ کا ماہر تھا۔ بخارا کی حسین ترین تصویر رودکی نے مندرجہ ذیل اشعار میں کھینچی ہے جب اس نے امیر نصر کی مدح میں قصیدہ لکھتے ہوئے اسے ہرات سے بخارا واپس آنے کی دعوت دی کیونکہ بخارا کی مثال ایک بوستان بلکہ آسمان کی تھی ؎

بوئی جوئی مولیاں آید ہمی
یاد یار مہرباں آید ہمی
اے بخارا شاد باش و شاد زی
شاہ سویت میہماں آید ہمی
شاہ سرو است و بخارا بوستاں
سرو سوی بوستاں آید ہمی
شاہ ماہ است و بخارا آسماں
ماہ سوئے آسماں آید ہمی

پیر رومی کی نظر میں بخارا جزء العلم تھا۔ اور ہر دانا و فرزانہ لازمی طور پر بخاری تھا حافظ دل بھی ہمیشہ اسیر بخارا رہا ؎

رومی بہ محراب نہادن چہ سود
دل بہ بخارا و بتان طراز

مسلم وسط ایشیا پر زار روسی کا قبضہ:

وسط ایشیا کے اس زرخیز ترین علاقہ پر روس کی جمی رہی کیونکہ فرغنہ کی سرزمین تیل اگل رہی تھی اور سمرقند کے کارخانے کاغذ بنا رہے تھے۔ تجارت کو عالمی فروغ تھا۔ روس پولینڈ اور اسکنڈی نیویا سے جو سکے برآمد ہوئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم بخارا کا مشرقی یورپ کے ساتھ گہرا تجارتی ربط تھا۔ منظم تجارت کی وجہ سے بینک اور صرافہ کا بھی اعلیٰ نظام قائم تھا۔ دھات کے آلات، کپڑوں کے مل، خطاطی اور پینٹنگ کا عروج تھا۔

مسلمانوں کی کمزوری، ریاستوں کی خانہ جنگی سے برطانیہ اور روس نے فائدہ اٹھایا دونوں مسیحی طاقتیں اسلام کو زیر کرنے کے در پے تھیں۔ انیسویں صدی میں متحارب ریاستوں کی خانہ جنگی نے روس کو اقدام کا موقع دیا۔ اور زار نے ایک کے بعد ایک شہروں کو ہضم کرنا شروع کیا صوبہ اورنبرگ (ORENBURG) کے شہروں پر مثلاً کرغز (KIRGHIZ) پر سنہ ۱۸۲۲ء میں قبضہ کیا۔ خیوا (KHIVA) اور بخارا کے نوابوں کو ختم کیا۔ سنہ ۱۸۳۹ء کے بعد روسی فتوحات کا زور شروع ہوا۔ سنہ ۱۸۶۸ء میں بخارا پر قبضہ ہوا۔ سمرقند بھی روسی تحویل میں چلا گیا (براکلمان، تاریخ مسلم اقوام، جرمنی متن کا انگریزی ترجمہ از جویل کارمیکائیل (HISTORY OF ISLAMIC PEOPLES.(P.428) سنہ ۱۸۷۶ء میں کوکنڈ (KOKAND) پر اور سنہ ۱۸۷۷ء سے سنہ ۱۸۸۱ء تک قراقرم کے علاقوں پر روس نے قبضہ کرلیا۔ سنہ ۱۸۸۴ء تک سارا اسلامی وسط ایشیا پر روس نے قبضہ کرلیا خراسان کا مرکز مرو بھی زیر نگیں ہوا۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۴۲۸ نفس مرجع) ان روسی فتوحات کے بعد دوسری صلیبی قوت برطانیہ میں کھلبلی مچی۔ کیونکہ اب ہندوستان روس کی زد میں تھا۔ ہند کے سرحدی تحفظ کے لئے برطانیہ نے افغانستان کی طرف قدم بڑھایا۔ انیسویں صدی میں ایران اور وسط ایشیا روس اور برطانیہ کی رقابت کا مرکز تھا۔ ایران کو انہوں نے دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ شمالی حصہ پر روس کا قبضہ ہوگیا اور باقی ماندہ حصہ برطانیہ کے زیر نگیں ہوگیا۔ ترک کے ساتھ جنگ جاری تھی (نفس مرجع ملاحظہ ہو باب پنجم بعنوان ایران و افغانستان) جاپان سے شکست کھانے کے بعد روس نے وسط ایشیا کے دیگر علاقوں کو بھی ہضم کرلیا۔ ایران میں برطانیہ کے خلاف سخت نفرت تھی کیونکہ وہ ایران کو برابر دھوکے دیتا رہا (نفس مرجع صفحہ ۴۳۳–۴۳۴)

مختصر یہ کہ روس آج وسط ایشیاء کا مالک ہے جو کبھی اسلامی عقائد و ثقافت کا گہوارہ تھا۔

اشتراکی روس کا ظہور (سنہ ۱۹۱۷ء) اور اسلام کی بیخ کنی:

ابھی سو برس سے بھی کم ہوئے ہیں کہ اسلامی ثقافت کا اتنا بڑا علاقہ روس نے اس طرح ہضم کیا کہ ڈکار بھی نہیں لی۔ بدقسمتی یہ ہے کہ نوجوان مسلم نسل ان تاریخی حوادث پر تامل و تدبر کے بجائے اسے دیومالائی قصے تصور کرتی ہے۔

زار روس اور اشتراکی روس میں کیا فرق ہے؟ یہ سوال نوجوان مسلم نسل کے لئے حل طلب ہے! درحقیقت دونوں ادوار اسلام اور مسلمانوں کی بربادی کے ادوار رہے۔ اول الذکر نے عالم اسلام کے اس زرخیز علاقہ کو سیاسی طور پر ہضم کرلیا اور آخر الذکر نے اس علاقے سے اسلام کی بیخ کنی کر ڈالی۔ روحانی نظام کی جگہ مادی نظام اس طرح مسلط کردیا کہ آج اسلام کی سرزمین میں ہی اسلام نامانوس ہوگیا جس طرح اندلس میں تقریباً نو سو سال تک اسلامی کلچر و ثقافت کے عروج کے باوجود باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے سنہ ۱۴۹۲ء میں اسلام اور مسلمان دونوں اندلس بدر کر دیے گئے اور آج وہ اس علاقہ کے لئے نامانوس ہوگئے۔

(باقی آئندہ)

بقیہ صفحہ ۹

جائزہ لیا جن کے ذریعہ افغانستان کے ذریعہ اپنے فوجی ریلے کو افغانستان کی سرحد تک اکتفا نہ کریں گے اس کے ساتھ مصر اسرائیل کے مابین کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ کے خلاف قدم اٹھایا اور تمام مسلم ملکوں سے فرمائش کی کہ وہ مصر کے خلاف سیاسی، معاشی اور ثقافتی بائیکاٹ کریں۔ کانفرنس اپنے اگلے اجلاس کے لیے جو اپریل میں منعقد ہو رہی ہے اسلامی ملکوں کے مابین مشترکہ دفاع جیسے مسائل پر غور کرنے کے لیے تیار ہوگئی ہے اور اسلامی ملکوں پر جارحیت کے خلاف متحدہ اقدام بھی اس کے تحت زیر بحث آئے گا۔

مسلم وزراء خارجہ کی اسلام آباد کانفرنس

(محمود الانہار ندوی)

- کابل سے ترک تعلق۔
- افغانستان میں روسی فوجی جارحیت کی مذمت۔
- روسی افواج کا افغانستان سے واپسی کا مطالبہ
- روس نواز افغان حکومت کے لیے ہر قسم کی امداد بند۔
- ماسکو اولمپکس کا بائیکاٹ۔
- اتحاد عالم اسلامی پر زور
- اسلامی دنیا پر بڑی طاقتوں کے دباؤ پر تشویش۔
- مصر سے سیاسی، معاشی اور ثقافتی بائیکاٹ۔
- افغان عوام کی امداد پر آمادگی
- مجاہدین کے ساتھ تعاون اور ان کے اتحاد پر زور
- پناہ گزینوں کی دیکھ بھال اور امداد۔

یہ ہیں وہ قرار دادیں جو مسلم وزراء خارجہ کی اسلام آباد کانفرنس نے منظور کی ہے اس نے روس کی جارحانہ کارروائی اور توسیع پسندانہ ذہن رکھنے والی بڑی طاقتیں جن میں امریکا، برطانیہ، فرانس سب شامل ہیں مذمت کی ہے اور ان کو خبردار کیا ہے کہ وہ اس قسم کی کارروائی سے باز آجائیں اور یہ چیز سعودی وزیر خارجہ کی اس بیان میں جھلکتی ہے جو انھوں نے کانفرنس شروع ہونے سے قبل دی تھی اور وہ مکمل طور پر قرارداد میں شامل نہیں ہوسکی۔

بنگلہ دیش کی درخواست پر مسلم وزراء خارجہ کی یہ کانفرنس پاکستان کی راجدھانی اسلام آباد میں منعقد ہوئی تھی اس کے ذمہ سب سے اہم کام افغانستان میں روسی جارحیت اور اسی کے نتیجے میں پیش آنے واقعات پر غور کرنا تھا۔ کانفرنس میں عالم اسلام کے ۳۶ وزراء خارجہ شریک ہوئے اور میزبان ملک وزیر خارجہ آغا شاہی نے کانفرنس کی۔ اس کا افتتاح پاکستانی صدر جنرل ضیاء الحق نے کیا انھوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں اتحاد اور اسلامی ملکوں کے مابین مشترکہ دفاعی امور جیسے معاملات پر زور دیا اور اس کو عالم اسلام کے لیے ناگزیر ضرورت بتائی اور کہا افغانستان کی صورت حال کے خاتمہ کے لیے ہمیں عملی اقدامات کرنے پڑیں گے انھوں نے اسی ضمن میں مشترکہ دفاعی نظام قائم کرنے کی تجویز پیش کی اور یہ بتایا کہ ماضی و حال کے تجربات سے بار بار یہ ثابت ہوا ہے کہ جب تک اسلامی ممالک اپنے حقوق و مفادات، آزادی، خود مختاری اور علاقائی سالمیت کے تحفظ و دفاع کے لیے موثر اور با اعتماد اسباب و وسائل فراہم نہیں کرپاتے انھیں ایک نئی آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا رہا ہے۔ انھوں نے امت مسلمہ کے افرادی اور مادی وسائل کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ دنیا کے اہم اور وسیع علاقوں میں نوے کروڑ مسلمان آباد ہیں جو ایک اللہ ایک رسول اور ایک کتاب پر ایمان رکھتے ہیں انھیں بہترین ایمان اور مکمل نظریہ حیات ودیعت ہوا ہے اس کے علاوہ قابل رشک انسانی اور مادی وسائل سے نوازا گیا ہے اور امت مسلمہ کے یہ نوے کروڑ افراد ایسے خطوں میں آباد ہیں جو بین الاقوامی امن اور اقوام عالم کی بہبود کے لیے خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔

کانفرنس نے افغانستان میں روسی جارحیت اور اس کے پڑوس میں آباد مسلم ممالک پاکستان اور ایران پر اثرات کا جائزہ لیا اور ان ملکوں کو اپنی حمایت و امداد کا یقین دلایا روسی جارحیت کی مذمت کی کابل کی غیر قانونی کٹھ پتلی حکومت سے تعلقات منقطع کرنے پر زور دیا، بیرونی افواج کی واپسی کا مطالبہ کیا نیز افغانستان میں روسی افواج کی موجودگی کی وجہ سے غیر قانونی نمائندہ تسلیم کرتے ہوئے کانفرنس کی رکنیت سے معطل کردیا نیز خالص اسلامی معاملے بیت المقدس سمیت تمام عرب علاقوں کی بازیابی کے لیے عرب ملکوں کی جانب سے اتحاد کی اپیل کی اور فلسطین کی تنظیم آزادی کو فلسطینی عوام کی واحد جائز نمائندہ تسلیم کیا اور جنوبی لبنان پر اسرائیل کے مسلسل حملوں کے انسداد پر زور دیا۔

اس کانفرنس نے غیر اسلامی بلاک کی جانب سے مسلمان ملکوں پر دباؤ ڈالنے کی بھی مذمت کی اگرچہ قرارداد میں ان ملکوں کا نام نہیں لیا گیا ہے لیکن اس میں ڈیگو گارشیا کے امریکی اڈے صومالیہ اور عمان میں امریکی اڈے بنانے کے منصوبے اور جبوتی میں فرانس کی موجودگی اور برطانیہ کے اڈے شامل ہیں۔

کانفرنس نے مغربی طاقتوں پر الزام لگایا کہ وہ افغانستان کے بحران سے فائدہ اٹھا کر اسلامی دنیا میں بین الاقوامی سامراجیت کو واپس لانا چاہتے ہیں۔

کانفرنس کے انعقاد سے قبل یہ خبر آئی تھی کہ سعودی عرب جو تیل برآمد کرنے والے ممالک میں صف اول میں ہے کچھ ایسی تجویزیں پیش کرے گا جو روس کے خلاف ان ممالک کی طرف سے سخت ترین قرار داد ہوگی اور اس کا سعودی وزیر خارجہ سعود الفیصل نے اظہار بھی کردیا تھا مگر کانفرنس اپنے ابتدائی مرحلہ میں روس کے خلاف اس حد تک جانے کے لیے تیار نہ تھی کہ وہ افغانستان میں روسی جارحیت کے نتیجے مکمل سیاسی، معاشی اور ثقافتی بائیکاٹ کرے اور اس کے ایک جزو کے طور پر تیل کو بطور حربہ استعمال کیا جائے اور اس کا اطلاق ان ملکوں پر بھی کیا جائے جو روسی جارحیت کی حمایت کریں۔

کانفرنس نے پوری صورت حال پر سنجیدگی سے غور کیا اور ان خدشات کا بھی
(بقیہ صفحہ ۸ پر)

مطالعہ کی میز پر

نذر الحفیظ ندوی

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ، کی علمی و دعوتی سرگرمیوں کا بڑا حصہ تعلیم و تربیت کے لئے وقف ہے، وہ مردم سازی اور آدم گری کے کارخانے (مدارس) سے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں، یہاں سے وہ قلب و نگاہ اور ذہن و دماغ کو نئے سانچے میں ڈھال کر اسلامی بلکہ انسانی آبادی کو ایسے افراد فراہم کرتے ہیں جو پوری کائنات کا احتساب اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کرتے ہیں، مولانا کے نزدیک مدرسہ کا مفہوم بہت وسیع اور اس کی ذمہ داری بہت نازک ہے۔ اس کا تعلق کسی تقویم، کسی تمدن، کسی عہد، کسی کلچر اور زبان و ادب سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق براہ راست نبوت محمدی سے ہوتا ہے جو عالمگیر بھی ہے اور زندہ جاوید بھی، اس کا تعلق اس انسانیت سے ہے جو ہر دم جواں ہے، اس زندگی سے ہے جو ہمہ وقت رواں اور دواں ہے۔ اس میں نبوت محمدی کی ابدیت اور زندگی کا نمو اور حرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔

مولانا کے نزدیک مدرسہ کی کیا اہمیت ہے، انسانیت کے لئے اس کا وجود کن حیثیتوں کا حامل ہے، اس کے اندر کتنی طاقت اور زندگی ہے، اس کی ذمہ داری کتنی نازک ہے یہ مولانا کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

"میں مدرسہ کو ہر مرکز سے بڑھکر مستحکم، طاقتور، زندگی کی صلاحیت رکھنے والا اور حرکت و نمو سے لبریز سمجھتا ہوں۔ اس کا ایک سرا نبوت محمدی سے ملا ہوا ہے اور دوسرا سرا اس زندگی سے، وہ نبوت محمدی کے چشم حیواں سے پانی لیتا ہے اور زندگی کے ان کشت زاروں میں ڈالتا ہے، وہ اپنا کام چھوڑ دے تو زندگی کے کھیت سوکھ جائیں اور انسانیت مرجھانے لگے، نہ نبوت محمدی کا دریا پایاب ہونے والا ہے نہ انسانیت کی پیاس بجھنے والی ہے، نہ نبوت محمدی کے چشمۂ فیض سے بخل اور انکار ہے، نہ انسانیت کے کاسۂ گدائی کی طرف سے استغنار کا اظہار۔ ادھر سے "انما انا قاسم واللہ یعطی"، کی صدائے کرم ہے تو ادھر سے "ھل من مزید، ھل من مزید" کی فغان مسلسل"۔

حکمت کے یہ موتی ہم نے مولانا کی کتاب" . . . پاجا سراغ زندگی"، سے لئے ہیں جو ابھی حال ہی میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔

مدارس عبارت ہیں طالب علم سے، ایسے طالب علم جن کی نگاہ بلند، ہمت جواں اور عزم راسخ ہو، نہ کہ شکست خوردہ اور احساس کمتری کے شکار۔

اسی کتاب کے صفحہ ۹۸ پر مولانا نے مدارس کے سب سے بڑے فتنے اور ذہنی طاعون کی نشاندہی کی ہے جو احساس کمتری کی صورت میں طلبہ کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے۔ "انبیاء کے نائبین اور علوم نبوت کے حاملین کو اگر احساس کمتری ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نبوت کے مقام سے ناآشنا اور یقین سے خالی ہیں۔" مولانا بجا طور پر انھیں خود شناسی و خودداری پیدا کرنے کی دعوت دیتے ہیں:-

"آپ تو ان ہستیوں کے جانشین ہیں جن کے متعلق عارف رومی نے بجا طور پر کہا تھا ؎

نخوتے دارند و کبرے چو شہاں
چاکری خواہند از اہل جہاں

آپ کے پاس جو دولت ہے اس سے دنیا کا دامن خالی ہے، آپ کے سینہ میں علوم نبوت ہیں اور وہ حقائق ہیں جو دنیا سے گم ہو چکے ہیں اور جن کے گم ہونے سے آج عالم میں اندھیرا ہے، اضطراب، انتشار ہے، شر و فساد ہے، آپ اپنے ان سادہ کپڑوں، ان حقیر جسموں اور اس خالی جیب و دامن پر نظر نہ کریں، آپ دیکھیں کہ آپ کا سینہ کن دولتوں سے معمور اور آپ کے اندر کیسا بدر کامل مستور ہے ؎

بر خود نظر کشا زتہی دامنی مرنج
در سینۂ تو ماہ تمامے نہادہ اند" (صفحہ ۹۸)

"ان بوسیدہ کپڑوں اور نحیف جسموں میں شیر خفتہ ہیں، آپ ہی کے اندر ایسے پاک نفس داعی، اور ایسے بے لوث مصلح ہیں جن سے آپ بھی بے خبر ہیں، میں انھیں خوابیدہ صلاحیتوں کو اپنی کمزور اور ناتواں آواز سے دستک دے رہا ہوں، کاش کہ میری آواز ان دروازوں کے پار پہونچ جائے اور سونے والوں میں بیداری پیدا ہو۔" (صفحہ ۱۲۹)

مولانا بجا طور پر توقع رکھتے ہیں کہ ان کی اس پرسوز اور دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز پر شاہین صفت نوجوان لبیک کہیں گے اور وقت کے فتنوں اور باطل کے طلسموں کو توڑ کر رکھ دیں گے۔

وقت کے یہ فتنے کیا ہیں، کیسے کیسے حملے اسلام کے قلب و جگر پر کیے جا رہے ہیں، کن کن ناموں سے انسانیت اور اخلاق کو تباہی کے راستے پر لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مولانا چونکہ خود بھی ان فتنوں کے مضبوط قلعوں پر یورش کر چکے ہیں اس لئے وہ ایک آزمودہ اور تجربہ کار سپاہی کی طرح وقت کے ان فتنوں کی نشان دہی کرتے ہیں:-

"آج کتنے بڑے بڑے فتنے ہیں جو اس وقت جہنم کے شعلوں کے مثل بھڑک رہے ہیں، اور پورے پورے اسلامی ملکوں کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتے ہیں اور صحابہ کرام کے کارناموں پر پانی پھیر دینا چاہتے ہیں، آج قسم قسم کے اسلام سوز، ایمان سوز، اخلاق سوز اور انسانیت سوز فتنے ابھر رہے ہیں، آج مسیلمہ کذاب نئے نئے روپ میں آ رہا ہے اور نبوت محمدی کو چیلنج کر رہا ہے، آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمایہ پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے، آپ کے قلعہ میں شگاف پیدا کئے جا رہے ہیں، آپ کے دار السلطنت پر حملہ کیا جا رہا ہے۔ اگر آج امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل زندہ ہوتے تو میں یقین کرتا ہوں کہ شاید وہ فقہ کی تدوین بھی تھوڑی دیر کے لئے روک دیتے اور اس مسئلہ کی طرف توجہ کرتے۔"

مولانا طالبان علوم نبوت کے حاملین کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آج تمہارے لئے کام کے دوسرے میدان ہیں، آج تمہارے لئے پنجہ آزمائی کا موقع ہے۔ تمہارے لئے الحاد اور مادیت سے آنکھیں ملانے کا موقع ہے اور یقین مانو کہ اس سے امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک و امام احمد کی روح نہیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح خوش ہوگی آج کب سے یہ صدائیں لگ رہی ہیں کہ ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں درنمی آید سواراں را چہ شد"

اسلامی دنیا کے ان فتنوں کا قلع قمع کرنا اشد ضروری ہے لیکن دوسری طرف پوری دنیا میں جو اضطراب و انتشار ہے اور انسانی زندگی جس طرح پاکیزہ اور صاف ستھرے ذوق اور خود اعتمادی سے محروم ہو چکی ہے، اس کے لئے ہم نے کیا تیاریاں کی ہیں۔ مولانا اس عام افلاس کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"آج حیات انسانی کا ذوق مفقود ہے، صاف ستھری پاکیزہ زندگی گذارنے کا ذوق مفقود ہے، امریکہ اور یورپ اپنے عروج اور ترقی کی منزلوں کے باوجود انسانی زندگی کا ذوق پیدا نہیں کر سکے، آج

(بقیہ صفحہ ۴ پر)

اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

(عبد القیوم کشمیری، متعلم درجہ ہفتم عربی)

قرآن حکیم ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسان کی ہدایت اور فلاح دارین کا واحد ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی قرآن کے احکام کو پورا کر کے ہی حاصل کی جا سکتی ہے انسان کی بہبود اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہونے کے لیے قرآنی تعلیمات کا اپنانا اور اپنی پوری زندگی اس کے مطابق گزارنا شرط ہے۔ یہ تعلیمات زندگی کے سب گوشوں پر حاوی ہیں وہ بالکل مکمل ہیں اور انسانی فطرت سے ہم آہنگ۔ دنیائے انسانی میں قرآن اور حامل قرآن کا ظہور دراصل انسانی عظمت و سعادت کی ایک بین دلیل ہے چونکہ یہی وہ واسطہ ہے جس سے انسان کی رسائی خدا تک ہو سکتی ہے اور اللہ اور بندہ کا رشتہ اور تعلق قائم ہو سکتا ہے۔ قرآن حکیم کی مثال سورج کی سی ہے جس نے سارے عالم کو اپنے نور سے روشن کر دیا۔ دلوں کو حرارت ایمانی سے بھر دیا اور انسان کو گمراہی، جہالت اور غفلت سے نکال کر شرافت، ہدایت اور حکمت سے نوازا۔

قرآن کا موضوع فلسفہ اور سائنس نہیں بلکہ قرآن کا موضوع خود انسان ہے اور اسی سے وہ مخاطب ہے وہ انسان میں ایسے اوصاف اور بلند اخلاق پیدا کرنا چاہتا ہے جو اسے دوسری تمام مخلوق سے ممتاز کر دیں اور وہ اللہ کی اس زمین میں اللہ کا خلیفہ اور اس کا مطیع اور فرمانبردار بندہ بن کر رہے۔ قرآن کی تعلیمات کا محور "توحید" ہے۔ یعنی اللہ ایک ہے وہی قادر مطلق ہے۔ ہر طرح کی ستائش تعریف اور عبادت کا مستحق ہے اور رسالت پر ایمان لانا گویا اس کی تصدیق ہے۔ توحید کے عقیدے کی بنیاد پر قرآن انسان کو ایسے بلند مرتبہ اور مقام پر پہنچانا چاہتا ہے کہ جہاں ساری دنیا اور دنیا کی ہر چیز اس کے سامنے ہیچ ہو۔ ہم اگر ذرا غور کریں کہ آیا ہم کو جس توحید کا دعویٰ ہے یہ وہی توحید ہے جس کی قرآن ہمیں تعلیم دیتا ہے تو ہم کو اپنے مسلمان ہونے پر شک ہونے لگے۔ بصرف کلمہ زبان سے پڑھ لینے کا نام توحید نہیں اور پانچ وقت کی نماز پڑھ لینا کوئی توحید کی دلیل اور ثبوت نہیں، بلکہ پوری زندگی اور زندگی کے تمام تر امور کو اللہ کی رضا کے تابع کر دینے کا نام توحید ہے۔

قرآن زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے۔ وہ ایک دستور حیات ہے جس میں پیدائش سے کر موت تک کے تمام اصول و ضوابط اور آداب بتائے گئے ہیں۔ وہ ہمیں چلنے پھرنے، ہنسنے بولنے تک کے آداب سکھاتا ہے۔ ماں، باپ، بہن، بھائی سے برتاؤ کی تعلیم دیتا ہے۔ جھوٹ کا طریقہ اور بد دیانتی سے ڈراتا اور عفو و درگزر کی تعلیم و ترغیب دیتا ہے۔ صلح پسندی، رواداری اور حق گوئی کی تعلیم دیتا ہے۔ جھوٹ کا طریقہ اور بد دیانتی سے ڈراتا اور نفرت دلاتا ہے۔ غیبت اور بدگوئی کی مذمت کرتا ہے۔ جھوٹی خوشامد اور دکھاوے سے روکتا ہے۔ بھیک مانگنے اور دست سوال دراز کرنے پر ٹوکتا ہے۔ وہ نسخۂ اشعار ہے۔ اس میں ہر مرض کا علاج اور دوا موجود ہے وہ نیک بننے کی ترکیب بتاتا ہے۔ ترکہ کا قانون وراثت کا قانون، وصیت کا ضابطہ، حکومت کا ڈھنگ، انصاف اور رحم کی خوبیاں، جبر و ظلم کی برائیاں بیان کرتا ہے۔ کون سی ایسی بات ہے جو قرآن میں نہیں بتائی گئی اور کون سا قانون ہے جس کی نشاندہی قرآن نے نہ کی ہو۔

بہر حال یہ فہرست اور بھی بڑھائی جا سکتی ہے اس میں اور بھی بہت کچھ اضافہ کیا جا سکتا ہے لیکن کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ قرآن جس کو ہم اپنا دستور حیات مانتے ہیں جسے ہم اپنے امراض کا واحد علاج سمجھتے ہیں اور جس کے کلام اللہ ہونے میں ہمیں ذرا شک نہیں وہ ہم کو کس راہ پر چلانا چاہتا ہے اور وہ ہمیں کیسا انسان بنانا چاہتا ہے۔

کیا ہم نے اپنے کو کبھی قرآن کے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی ہے جو ہر آئینہ سے زیادہ صاف و شفاف ہے جس میں ہم اپنی صورت و شکل اور اپنے خد و خال کو پوری طرح سے دیکھ سکتے ہیں۔ کیا ہم نے کبھی اپنے ایمان کو قرآن کے تھرمامیٹر (Thermometer) سے جانچنے کی کوشش کی ہے؟ ہم اور آپ اگر واقعی اپنی حالت کا صحیح جائزہ لیں تو خود اپنے سے گھن آنے لگے ہمیں اپنے اندر نہ معلوم کیسے کیسے مہلک امراض ملیں گے۔ قرآن نہ صرف مرض اور بیماری کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ اس کا علاج بھی تجویز کرتا ہے تو کیا ہم نے کبھی قرآن اس لیے بھی پڑھا ہے کہ ہم اپنے روحانی امراض کا علاج کریں۔ سچ بات یہ ہے کہ وہ قرآن جسے ہم مقدس آسمانی کتاب سمجھتے ہیں ہم اس کے مطالبات و تقاضوں سے بہت دور ہیں۔

ذرا غور کیجئے کہاں ہم اور کہاں یہ کتاب جس کے تعلیم کا مقصد و محور بلند اخلاق اور پاکیزہ زندگی ہو۔ انسان کو صحیح انسان بنانا ہو اور اسے خلیفۃ اللہ کو صفات سے نوازنا ہو۔ ؏

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

یہ وہی قرآن ہے جس نے وحشیوں کو انسان بنایا جاہلوں کو عالم بنایا بدبختوں کو خوش بخت کیا، ظالموں کو رحم دلی بخشی اس کی تعلیمات وہی ہیں اور ان میں وہی اثر اب بھی ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پاس روحانی و اخلاقی زخموں کا مرہم موجود ہے جس نے کبھی بگڑے ہوئے ناسوروں کو صاف اور مندمل کر دیا تھا مگر معالج اور مریض دونوں بے پرواہ ہیں اس کا کیا علاج؟ ورنہ قرآن میں انفرادی معالجہ اور اجتماعی امراض دونوں کے نسخے ہیں۔ یہ وہی قرآن ہے جس نے دنیا میں ایک زلزلہ برپا کر دیا اور عرب بدوؤں کو دنیا کی ایک مہذب قوم بنایا، معیشت اور معاشرت تمدن و اخلاق سب کو یکسر بدل کر رکھ دیا اور مختصر سی مدت میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو اخلاقی پاکیزگی انسانی سیرت گری اور عدل و انصاف میں اپنی مثال آپ کا مصداق ہے۔ یہ ایک انقلاب تھا جس نے قلب و نظر کو بدل کے رکھ دیا بلکہ ایک روحانی دھماکہ (Topiritual exptosion) تھا جس نے دنیا کو ہلا کے رکھ دیا۔

کتنے عظیم تھے وہ انسان جن کی زندگیاں اس انقلاب عظیم کی زندہ جاوید مثال تھیں اور قرآن کی چلتی پھرتی تصویر تھیں۔ قرآن نے نہ صرف ان کو بدلا بلکہ ان میں ایسا کردار اور سیرت پیدا کی جسے اقبالؒ نے سیرت فولاد سے تعبیر کیا ہے اور یہ اسی سیرت فولادی ہی کی کرشمہ سازی تھی جس کے مظاہر ہم تاریخ میں جہاد اور فتوحات اور غزوات کی صورت میں دیکھتے ہیں اور یہ انھیں نفوس قدسیہ کی قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ آج ہم دنیا کے تقریباً ہر خطہ میں مسلمانوں کا نام سنتے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے کہ دنیا اپنے ہزار ساز و سامان کے ساتھ اور ہر قسم کی رنگینیوں اور رعنائیوں کے باوجود ان کے سامنے دست بستہ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ ان کی کامیابیوں اور کامرانیوں پر ہم کو ضرور رشک آتا ہے لیکن ہم نہیں جانتے کہ ان کی کامیابی اور کامرانی اور ان کی عظمت کا راز صرف "قرآن" ہی تو تھا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ان کا ہر کارنامہ ہمارے لیے اتنا تعجب خیز ہے کہ ہم اسے معجزہ اور کرامت سمجھتے ہیں۔

قرآن کے اعجاز کی اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اس نے ایسے افراد تیار کئے کہ جن کا ہر کارنامہ بذات خود ایک معجزہ سے کم نہیں۔ "وانتم الاعلون ان کنتم مومنین؟"

آج ہم دوسروں کے دست نگر ہیں دوسروں کے رحم و کرم پر جی رہے ہیں۔ نہ سیاسی دبدبہ ہے اور نہ دینی و اخلاقی وقار، خود غرضی ہمارا شعار ہے، حق تلفی اور ناانصافی میں ہم کسی سے کم نہیں۔ ہم افراد ہوں یا جماعتیں ہماری حرکات و سکنات ہماری معاشرت و تمدن غرض ہر شعبہ زندگی قرآنی تعلیمات سے خالی ہو چکا ہے۔ اخلاقی گراوٹ اور انسانیت سوزی کی اس سے اور کیا بھیانک تصویر ہو سکتی ہے جس کا ہم دن رات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایثار و قربانی، ہمدردی اور نیکی جیسے الفاظ اب صرف ہماری کتابوں میں ہی مل سکتے ہیں ؏

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

حضرت جنید بغدادی

جن کی قوت باطنی سے ہزاروں کو ہدایت ملی

مولانا سید الاعظمی ندوی — ترجمہ: عارف جنید متعلم ندوۃ العلماء

ابو قاسم جنید بن محمد بن جنید حلقہ صوفیہ کے سید الطائفہ اور اس جماعت کے سرخیل تھے۔ سالکان راہ طریقت کے امام اور اپنے زمانہ کے اولیاء کرام کے پیشوا تھے۔

آپ علم و معرفت، دینی سمجھ بوجھ اور بصارت و بصیرت جیسی صفات کے جامع تھے آپ نے معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کی اصلاح کی، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑا منتشر معاشرہ کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو جمع کیا۔

اسی بنا پر اپنے زمانہ کے علماء، حکماء اور مصلحین میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔

آپ علم و معرفت میں یکتائے روزگار تھے۔ توحید و عقیدہ اور دینی فہم میں سند تھے۔

جعفر خلدی کہتے ہیں کہ ہمارے شیوخ میں حضرت جنید ہی علم اور روحانی کیفیات کے سنگم تھے۔ جب آپ ان کے علم کا جائزہ لیں گے تو علم میں روحانی کیفیات سے بڑھے ہوئے پائیں گے اور جب روحانی کیفیات پر غور کریں گے تو محسوس ہوگا کہ روحانیت میں وہ علم سے بھی آگے ہیں۔

ابو العباس بن سریج سے روایت ہے کہ ایک دن انھوں نے حاضرین کے سامنے کچھ گفتگو کی جس کو بعض لوگوں نے بہت پسند کیا اور اس پر ابن سریج نے کہا کہ یہ ابو قاسم جنید رحمت اللہ علیہ کی مجالس کی برکت کا ثمرہ ہے۔

ابو قاسم کعبی متکلم و معتزلی کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے اس جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ طالبان معرفت ملفوظات کو لکھنے کے لیے فلاسفر ان کی نکتہ آفرینی سے مستفید ہونے کے لیے اور متکلمین آپ کے علم کی گہرائی سے فائدہ اٹھانے کے لیے حاضر رہتے تھے۔

خلدی کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت جنید نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا علم اس کائنات میں پوشیدہ رکھا ہے اور اس کی تحصیل کے لیے مخلوق کو راہیں مہیا کر دی ہیں۔ اس میں میرے لیے ایک حصہ متعین کر دیا ہے۔

ان کی عبادات اور نمازیں خضوع و خشوع سے معمور ہوتی تھیں ان کو عبادت میں ایسا کیف اور ایسی لذت محسوس ہوتی کہ بہ کثرت نوافل پڑھ کر شوق عبادت پورا کرتے اس لیے کہ عام مجلس میں توجہ الی اللہ کی وہ لذت حاصل نہیں ہوتی جو خلوت و تنہائی میں حاصل ہوتی ہے۔ آپ خلوت و تنہائی میں اور مناجات دعا میں لمبی لمبی ساعتیں گزارتے تھے۔

خالدی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت جنید اپنی دوکان میں روزانہ تین سو رکعتیں اور تیس ہزار تسبیحات کا ورد کرتے تھے۔ میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے سونے کے لیے بیس سال سے کپڑے نہیں اتارے اور اسی حالت میں بیس سال تک ہفتہ میں صرف ایک بار کھانے اور ہر رات چار سو رکعات نفل ادا کرنے کا معمول تھا۔

ابو الحسن علبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جنید کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے یہ علم کس سے حاصل کیا ہے؟ انھوں نے اپنے گھر کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اس گوشہ میں تیس سال اللہ کے سامنے حضوری سے۔

اسماعیل بن نجید کہتے ہیں کہ حضرت روزانہ بازار میں تشریف لا کر دوکان کھولتے اور اندر تشریف لے جا کر پردہ ڈال دیتے اور چار سو رکعت نفل ادا کرتے۔

ابو بکر عطار کہتے ہیں کہ میں اپنے چند ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت جنید کی وفات کے وقت حاضر ہوا تو آپ بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب سجدہ کا ارادہ کرتے تو اپنے پیر کو موڑ لیتے اسی حالت میں روح ان کے پیر سے نکل گئی جس سے اس کو حرکت دینا مشکل ہو گیا پھر انھوں نے دونوں ورم زدہ پیروں کو پھیلا دیا یہ حالت دیکھ کر ان کے بعض دوستوں نے کہا کہ ابو قاسم یہ کیا ہو گیا ہے؟ فرمایا 'اللہ اکبر' یہ اللہ کی نعمتیں ہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو ابو محمد حریری نے عرض کیا کہ حضرت آرام کر لیجیے۔ فرمایا 'ابو محمد یہ وقت اللہ سے لینے کا ہے تو کیوں آرام کروں اور پھر اسی حالت میں آپ کی وفات ہو گئی۔

نماز میں یہ انہماک اور عبادت و دعاء میں یہ اشتغال اکثر عبادت گذار زاہدین میں بھی نہیں پایا جاتا اس کا انحصار فضل الہٰی پر موقوف ہے جس کو وہ چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تو بڑا ہی فضل والا ہے۔

ایک شریف النفس اور پاک دل سربی کی علامت ہے کہ وہ معاشرہ کی شریعت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ زہد و تقویٰ انسانیت کے اعلیٰ مفاہیم اور بلند معانی اور اخلاق فاضلہ کی دولت عطا کرتا ہے اور چند روزہ زندگی کی رنگا رنگی کے فتنہ سے بچنے کی قوت و طاقت، پختہ ایمان و عقیدہ، علم راسخ اور متانت و سنجیدگی جیسی صفات اس کے اندر موجود ہوتی ہیں جن کی بنا پر ایک ایسے اسلامی معاشرہ کا وجود ہوتا ہے جس کے پس پردہ تقویٰ اور انابت الی اللہ کی روح کارفرما ہوتی ہے اور اس معاشرہ پر دینی حمیت غالب ہوتی ہے جو تمام عصبیتوں کو ختم کر دیتی ہے اس کی نظر میں حدود و قیود رنگ و نسل اور وطن پرستی کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ اس وقت فضل الٰہی کا مرکز وہ دل ہوتا ہے جو تقویٰ سے لبریز اور ذکر و اذکار سے مطمئن ہو۔ حضرت جنید بغداد میں بیمار دلوں کا علاج کرتے رہے اور لوگوں کو معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کی اصلاح کی دعوت دیتے رہے اور ان کے دلوں کے میل کو دور کرتے رہے۔ ان کو احکام ربانی کا پابند اور اسلامی روح سے قریب تر کرتے رہے تاکہ ان میں خواہشات بے جا نہ پروان چڑھ جائیں اور باطل نظریات اور کھوٹے رجحانات انھیں گمراہ نہ کر دیں۔ آپ نے لوگوں کی زندگیوں کے تاریک گوشوں کو منور کیا۔ محبت حقیقی کی لذت اور ایمان کی حلاوت کی رہنمائی سے ان کے سمت دلوں کو نرم کیا، اور ایک مثالی معاشرہ کی بنیاد ڈالی جس نے پوری فضا کو ایمان و عقیدہ کی نورانیت سے منور کیا معاشرہ کے وہ لوگ جو زندگی کے معرکہ سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور حالات زمانہ میں پھنس پڑے تھے اور سمجھ لیا تھا کہ زندگی دنیا سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی کا نام ہے ان کے سکوت میں حرکت اور جمود میں روانی پیدا فرمائی۔

حضرت جنید اس غلط فہمی کی نفی کرتے رہے اور لوگوں کو خوف خدا اور ایمان باللہ پر ابھارتے رہے کیونکہ انھوں نے بصیرت کے نور سے وہ چیز دیکھی تھی جس کو عام لوگ بصارت ظاہری سے نہیں دیکھ پاتے۔ تھے انھوں نے قوت اخلاص اور خدا کی ذات میں فنا ہونے کی لذت سے ان کے دلوں کی کجی کا راز پایا اور اسی طرح وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشغول رہے اور اسلامی معاشرہ کو ہر طرح کے فساد اور ہر طرح کے اخلاقی زوال سے بچایا۔

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کے کلمات عالیہ

آپ سے پوچھا گیا کہ قرب الٰہی تک کیسے پہنچا جائے؟ آپ نے فرمایا ایسی توبہ جو تمام خواہشات کے بندھنوں سے آزاد کر دے خوف الٰہی جو شان و شوکت کو پاش پاش کر دے۔ دلوں میں اللہ تعالیٰ کا استحضار ہو اور دنیا کی حقارت پیدا ہو اور دل سے اس کی محبت نکل جائے۔ آگے فرمایا ہر سانس کے ساتھ عذاب الٰہی کا خوف قائم رہے۔

فرمایا خشوع نام ہے اللہ کے سامنے تذلل کا۔ تواضع نام ہے وجود انسانی میں جھکاؤ ونرمی کا۔ یقین علم کے ایسے رسوخ کا نام ہے جس میں کبھی تبدیلی پیدا نہ ہو اور مشاہدات غیبت میں کسی قسم کا شک نہ باقی رہے۔

فرمایا مومن کے لیے دنیا سے آخرت میں منتقل ہو جانا آسان ہے لیکن اللہ کی محبت میں مخلوق چھوڑنا بہت مشکل ہے۔ خواہشات نفسانی سے اوامر اللہ کا پابند ہونا بہت مشکل ہے اور احکام اللہ پر قانع ہونا اس سے زیادہ مشکل ہے۔

فرمایا صبر کڑوی سے کڑوی چیز کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے۔ اخلاص، رب اور بندے کے درمیان سربستہ راز ہے جس تک نہ فرشتہ کی رسائی ہے کہ اسے لکھ سکے اور نہ شیطان کی پہنچ ہے کہ اس میں رخنہ اندازی کر سکے۔ ہمیشہ اللہ کی نعمتوں کا استحضار رہنا چاہیے۔

اپنی حقارت سے جو شستی وجود میں

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

۶ خلیجی ممالک مشترکہ دفاعی منصوبہ کی تیاری میں مصروف ہیں

خلیجی ممالک، عالمی نقشہ پر ایران اور افغانستان کے بعد آج سب سے زیادہ اہمیت اختیار کئے ہوئے ہیں اور امریکی صدر کارٹر نے امریکی کانگریس کے دونوں ایوانوں کے ایک مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے گذشتہ دنوں اپنی تقریر میں روس کو خبردار کیا ہے کہ وہ خلیج کے علاقہ سے ہاتھ اٹھالے ورنہ اسے امریکی فوجی قوت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور ان کی تقریر کا یہ حصہ نیویارک ٹائمز، انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون ٹائمز، گارجین اور دوسرے اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا ہے۔ لیکن اس تقریر سے قطع نظر خلیج کے علاقہ میں روسی جہازوں کی موجودگی اور تعیناتی اور جنوبی یمن میں روس کی بحری، بری اور فضائی قوت میں اضافہ نے بھی اس علاقہ نے غیر معمولی فوجی اہمیت اختیار کر رکھی ہے۔ اس ضمن میں نیویارک ٹائمز کے نامہ نگار ہنری ٹینر نے اپنے مراسلہ میں بتلایا ہے کہ روس کا ایک بحری جہاز روسی بحری بیڑے کا پھریرا اٹھاتے ہوئے کئی روز سے آبنائے ہرمز کے بیچوں بیچ لنگر انداز ہے۔ اس جہاز کا نام تامان ہے۔ اور یہ ۶ ہزار چار سو ۵۰ ٹن وزنی ہے اور عمان کے ہیلی کوپٹر سے جب اس جہاز کا جائزہ لیا گیا تو پتہ چلا کہ اس میں بڑے حساس آلات نصب ہیں جو نزدیک و دور کی تمام آوازیں اور سمندری لہروں کے تموج تک کو ریکارڈ کر لیتے ہیں۔

دوسری جانب سنڈے ٹیلی گراف کے نامہ نگار گارڈن بروک شیفرڈ نے جنوبی عمان سے اطلاع دی ہے کہ روس نے فوجی طور طریقے سے جنوبی یمن پر اس حد تک اپنی گرفت کو مضبوط کر لیا ہے کہ وہ اگر چاہے تو دو طرف سے خلیج کے ممالک پر حملہ بول سکتا ہے۔ اور فی الوقت کیفیت یہ ہے کہ عدن کی بندرگاہ اور گودیوں میں ایٹمی آبدوزیں تک تیار رہنے لگی ہیں اور جنوبی یمن کو اس بات پر راضی کر لیا گیا ہے کہ عدن میں ہر وقت ایک درجن روسی ایٹمی آبدوزیں قیام کریں۔ ان کے علاوہ اس علاقہ میں روس کے مگ ۲۵ ساخت کے لڑاکا طیاروں کے دو اسکواڈرن بھی جنھیں روسی ہوا باز چلا رہے ہیں قیام پذیر ہیں۔ اور یہ طیارے دنیا کے جدید ترین طیاروں کے مقابلہ میں پیش کئے جا سکتے ہیں اور امریکہ کے صرف ٹورنیڈو ساخت کے لڑاکا طیارے ہی ان کی برابری اور ہمسری کر سکتے ہیں۔ اس نامہ نگار نے آگے چل کر عمان کے بریگیڈیئر ال معتقر کے حوالہ سے یہ بھی بتایا ہے کہ جنوبی یمن اپنے روسی اور کیوبائی نگرانوں کی مدد سے جب چاہے عمان پر فوج کشی کر سکتا ہے۔

ڈیلی ٹیلی گراف کے نامہ نگار جان بلک نے دوسری جانب اپنے مراسلہ میں خلیجی ممالک کی بڑھتی ہوئی بے چینی کی نشان دہی کی ہے اور بتلایا ہے کہ برطانیہ کا ایک جنرل جس کا نام جنرل ٹاملی سن ہے آجکل خلیجی علاقہ میں ان برطانوی سپاہیوں اور افسروں کی کارکردگی اور کام کا معائنہ کر رہا ہے جو اس علاقہ میں واقع مختلف ممالک میں مختلف خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ برطانوی جنرل کا یہ دورہ برطانوی وزیر خارجہ لارڈ کیرنگٹن اور برطانوی وزیر مملکت برائے خارجہ ہرڈ کے دورہ کا تتمہ ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ برطانیہ اس سارے علاقہ کے معاملات میں بدستور دلچسپی لے رہا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ یہ علاقہ ماضی قریب میں برطانوی حلقہ اثر میں شامل بھی رہا ہے۔

یہ جنرل آجکل دوبئی میں مقیم ہیں۔ بلک کا کہنا ہے کہ جنرل ٹاملی سن اب تک کویت اور بحرین کا دورہ کر چکے ہیں اور اس کے بعد اب قطر اور سعودی عرب کا سفر اختیار کرنے والے ہیں۔ اس لئے کہ ان چاروں مقامات پر برطانوی فوجی عملہ مستعار مہیا کیا ہوا موجود ہے۔ نامہ نگار کا کہنا ہے کہ کویت کی دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج میں ۱۲۹ برطانوی عملہ موجود ہے جس میں ۸۵ تو صرف فوجی افسران ہیں۔ ادھر بحرین میں ایک بحری اڈہ اب تک برطانیہ کے قبضہ میں ہے جس کا نام ایچ ایم جفیر ہے۔ لیکن آجکل اس بحری اڈے میں تین امریکی جہاز لنگر انداز ہیں۔ جن میں ایک عملہ بردار جہاز اور دو فرگیٹس ہیں۔ کویت اور بحرین کا ذکر کرنے کے بعد بلک بتاتا ہے کہ متحدہ عرب امارات میں ۱۸ برطانوی افسران، قطر میں سات برطانوی افسران اور سعودی عرب میں ۳۲ برطانوی افسران مختلف النوع خدمات انجام دے رہے ہیں۔ لیکن ان ممالک سے قطع نظر برطانوی فوجی سپاہیوں اور افسروں کی سب سے بڑی تعداد عمان میں مقیم ہے جہاں بری، فضائی اور بحری فوجی دستوں کی سربراہی برطانوی افسروں کے ذمہ اور اعلیٰ ترین عہدوں پر برطانوی افسران ہی مقرر اور متمکن ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد میں سو ہے لیکن ان کے علاوہ عمان کی فوجوں میں تین سو کرایہ کے برطانوی فوجی بھی کام کر رہے ہیں۔

جان بلک نے اپنے اس مراسلہ میں یہ بھی بتایا ہے کہ برطانیہ سعودی عرب کی فضائیہ کی تشکیل اور تنظیم میں بھی گہری دلچسپی لے رہا ہے اور برطانیہ کی ایئر کرافٹ کارپوریشن تمام سعودی ہوائی جہازوں کی مرمت اور دیکھ بھال کی ذمہ دار ہے جس کی وجہ سے تقریباً دو ہزار برطانوی اسٹاف سعودی عرب میں کام کر رہا ہے۔ جہاں تک عمان کا تعلق ہے گذشتہ دنوں امریکی ماہرین نے سیب کے مقام پر واقع ملک کے اہم ترین فوجی اور فضائی اڈوں کی نگرانی کی ذمہ داری قبول کر لی ہے اور امریکیوں کو سیرا کے بحری اڈہ کے استعمال کی عارضی اجازت بھی دیدی گئی ہے۔ لیکن سلطان قابوس یہ بحری اڈہ مستقل طور پر امریکہ کے حوالہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ جب برطانوی وزیر خارجہ کے نائب متحدہ عرب امارات اور خلیجی ممالک کے دورہ پر آئے تھے تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ اگر متحدہ عرب امارات، قطر اور بحرین مشترکہ طور پر امداد کی درخواست کریں تو برطانیہ اس نوعیت کی درخواست پر ہمدردی کے ساتھ غور کرے گا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ کے ممالک خلیج کے علاقہ کو بڑی طاقتوں کی آویزش سے دور رکھنا چاہتے ہیں اور وہ برطانیہ کو بھی امریکہ ہی کی ایک ذیلی طاقت سمجھتے ہیں۔

ادھر یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ خلیجی ممالک ایک وفاق کے قیام کا جائزہ لے رہے ہیں اور پچھلے دنوں سعودی عرب کے مقام طائف میں خلیج کی چھ مملکتوں کے نمائندوں کا جو اجتماع ہوا تھا اس میں خلیج کے مسائل پر بالعموم اور عرب مسائل پر بالخصوص تبادلہ خیال ہوا تھا لیکن اس اجتماع میں ایران اور عراق شامل نہیں تھے۔ کانفرنس میں جو ملک شریک تھے ان میں سعودی عرب، کویت، بحرین، متحدہ عرب امارات، قطر اور عمان کے نمائندے شامل تھے۔ اس اجتماع میں جس مسئلہ کو اولیت حاصل رہی وہ عمان کا یہ منصوبہ تھا کہ آبنائے ہرمز کو کس طرح دشمنوں سے پاک رکھا جائے۔ کانفرنس کے اختتام کے بعد کویت کے نائب وزیر اعظم عراق گئے جہاں انہوں نے عراق کے صدر صدام حسین کو مذاکرات اور فیصلوں کی نوعیت سے آگاہ کیا۔ اور سعودی عرب اس کانفرنس کے نتائج سے ایران کو آگاہ کرے گا۔ ان باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آگے چل کر خلیج کی اقوام اپنی حفاظت کے لئے ایک مشترکہ منصوبہ تیار کر سکیں گی اور افغانستان میں روسی مداخلت سے پیدا ہونے والے خطرے کا متحدہ طور پر مقابلہ کر سکیں گی۔

لیکن اس سمت اقدام کے ساتھ ساتھ گارجین کے نامہ نگار نے بیروت سے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ متحدہ عرب امارات کا اتحاد خود خطرے میں پڑ گیا ہے۔ اور اگر ابوظہبی اور دوبئی کے حکمرانوں کے موجودہ اختلافات ختم نہ ہوئے تو اس سے اس نوزائیدہ مملکت کا وجود تک ختم ہو سکتا ہے۔ اس وقت خلیج کا پورا علاقہ جس دھماکہ خیز صورت حال سے دو چار ہے اور بحر ہند، بحر عرب اور خود آبنائے ہرمز کے اردگرد خطرات کے جو بادل منڈلا رہے ہیں ان کا مقابلہ اتحاد ہی کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے اور اگر اس موقعہ پر متحدہ عرب امارات کا اتحاد خطرے میں پڑا تو پھر یہاں کے حالات واقعتاً مخدوش ہو جائیں گے اور خلیجی ممالک کی طائف کانفرنس کے وہ نتائج نہ نکل سکیں گے جس کے لئے اس کا انعقاد عمل میں آیا تھا۔

مکہ کے اطراف وجوانب میں ۶ سرنگیں کھودنے کا حکم دے دیا گیا۔

سعودی حکومت نے مکہ شہر کا اسلامی کردار برقرار رکھتے ہوئے اس کا جدید عالمی معیار کے مطابق تعمیر نو کا منصوبہ تیار کیا ہے۔ سعودی اخبارات میں شائع ہونے والی اطلاعات کے مطابق ولی عہد شہزادہ فہد نے حال ہی میں عالم اسلام کے اس سب سے بڑے مقدس علاقہ کی تعمیر نو کے سلسلے میں ہدایت دی ہیں۔ انہوں نے مکہ معظمہ کے میئر کو جو ہدایات دی ہیں ان کے مطابق اس عظیم شہر میں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مولد ہے ہر قسم کی شہری سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ مکہ کے میئر نے بتایا ہے کہ شہر کے پہاڑی اور مضافاتی علاقوں کی نئی منصوبہ بندی کے تحت تعمیر نو کی جائے گی ان علاقوں میں تمام بنیادی سہولتوں کی فراہمی کا انتظام کیا جائے گا۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ مکہ معظمہ کی تعمیر نو کا کام بہت سی ملکی اور بین الاقوامی فرموں کے مطالعات جائزوں کی بنیاد پر کیا جائے گا۔

ولی عہد شہزادہ فہد نے مکہ کے اطراف میں زائرین حج کی سہولتوں کے لئے ۶ سرنگیں کھودنے کے احکامات جاری کئے ہیں تاکہ حاجیوں کے نقل و حمل میں سہولت واقع ہو۔ اس کے علاوہ منیٰ کے علاقہ میں پانی کی بہم رسانی میں اضافہ اور عرفات کے علاقہ کے توسیعی منصوبہ کی بھی منظوری دیدی گئی ہے۔ اس کے علاوہ شاہی شرق اور ساق الغراب کی توسیع کا بھی حکم دیدیا گیا ہے اور ٹریفک کے کام میں سہولت پیدا کرنے کے لئے منیٰ میں زمین کو ہموار کرنے پر بھی کافی سرمایہ خرچ کیا جائے گا۔ دوسری جانب دمام میں شاہ عبدالعزیز بندرگاہ سے ریاض تک ایک نئی ریلوے لائن بھی بچھائی جائے گی تاکہ سامان کی نقل و حمل میں آسانی ہو۔

روس میں ۴۵ ہزار مساجد کو شہید یا بند کر دیا گیا

مسلمانوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں، ٹائم کی رپورٹ

لندن ۔۔ فروری (پی پی آئی) [illegible] روس میں ۴۵ ہزار مساجد کو بند کر دیا گیا یا انہیں شہید کر دیا گیا۔ یہ بات [illegible] ٹائمز [illegible] میں کہی گئی ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ روس میں مسلمانوں کے مذہب اور ان کی روایات پر سخت حملے کئے جا رہے ہیں [illegible] روس میں مسجدوں کی تعداد [illegible] ہزار تھی جو اب گھٹ کر پانچ ہزار رہ گئی ہے [illegible] قازقستان، ازبکستان، خیوا، بخارا، تاشقند اور سمرقند [illegible] مسجدیں [illegible] بند کر دی گئیں [illegible] اب پورے ملک میں پانچ ہزار مسجدیں ہیں اور تمام مسلمان گھروں میں نماز ادا کرتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق سال کے بعد صرف پچیس تیس مسلمانوں کو حج کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

افغانستان میں فوجی کارروائی کے دوران سینکڑوں روسی ہلاک و زخمی

ازبکستان کے ہسپتال زخمی روسی فوجیوں سے بھر گئے،

ماسکو ۔۔ فروری (اے ایف پی) افغانستان میں فوجی کارروائی کے دوران ہلاک اور زخمی ہونے والے روسی فوجیوں کے انجام پر ابھی تک رازداری کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس صورت حال کی وجہ سے روسی عوام میں یہ افواہیں پھیل رہی ہیں کہ ہسپتال روسی فوج کے زخمیوں سے بھر رہے ہیں اور ہلاک ہونے والے روسیوں کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ اخبارات میں ابھی تک کسی ایک بھی روسی فوجی کے ہلاک ہونے کی اطلاع شائع نہیں ہوئی۔ تاہم لوگوں میں یہ افواہیں گشت کر رہی ہیں کہ افغانستان سے ملحقہ ازبکستان کے روسی صوبہ کے ہسپتال روسی فوج کے زخمیوں سے بھرے پڑے ہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ افغانستان کی جنگ میں سینکڑوں روسی فوجی مارے گئے [illegible] کو جنوری کے [illegible] جنگ میں ہلاک ہونے والے روسیوں کی لاشیں [illegible] قبرستان میں دفن کر دی گئی ہیں۔

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ روس کی حکومت نے [illegible] افغانستان میں جنگی کارروائیوں کے دوران [illegible] ہلاک یا زخمی ہو گئے تھے تاہم [illegible] اور زخمی ہونے والے روسی فوجیوں کی تعداد کا کوئی ذکر ابھی تک نہیں ہوا۔

[illegible]

ندوہ کے شب و روز

سلامت تو، ترا میخانہ، تیری انجمن ساقی

زاہد حسین ندوی

لفظ شب و روز میں یوں تو اندھیرے اجالے دونوں ہی کا تصور ہے، خورشید جہاں تاب کا چھپ جانا اور زیست کی حرکتوں کا معدوم ہو جانا شب ہے اور اس کا نمودار ہونا اور زیست کا حرکت میں آ جانا روز۔ لیکن یہ وہ دنیا نہیں جہاں سورج کبھی غروب ہوتا ہو، یہ وہ دنیا نہیں جہاں کی زیست پر کبھی غفلت کا سایہ پڑتا ہو اس ایوان سیمابی کا ہر سیارہ اپنی گردش میں مگن اور اپنی دُھن میں محو رہتا ہے۔

یہاں تو ایک سورج ہمیشہ طلوع رہتا ہے، علم و ادب کا سورج، فکر و بصیرت کا سورج، اخوت و انسانیت کا سورج، اخلاص و للّٰہیت کا سورج کبھی شبلی نعمانی کی شکل میں کبھی سید سلیمان ندوی کی شکل میں، کبھی عبد السلام ندوی بن کر کائنات آدم کو امن و سلامتی کی روشنی بخشتا ہے، کبھی ابو الحسن علی ندوی بن کر حسنات کی ضیا پاشیوں سے کشتہ نفس چراغوں کو حیات کے رنگ و نور عطا کرتا ہے،

موسم بدلتا ہے، ریت بدلتی ہے، گھٹائیں اٹھتی ہیں، خارجی محرکات اثر انداز ہوتے ہیں لیکن یہاں نہیں، یہاں کی فضا کسی خارجی تغیر کو قبول نہیں کرتی بلکہ اس پر اثر انداز ہوتی ہے، یہاں کی صنعت گری ہی کچھ ایسی ہے، یہاں کی تعمیر کے عناصر ہی کچھ ایسے ہیں کہ زمانے کی برسات اس کے در و بام پر کائیاں نہیں جما سکتی، وقت کی آندھیاں اس کے ذروں کو اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتیں۔ یہاں کی روش ایک انوکھی ادا رکھتی ہے، ایک نرالا بانکپن، جو ہر اہل دل کو اپنا گرویدہ اور اہل نظر کو اپنا مداح بنا لیتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ پیکر اخلاص محمد علی مونگیریؒ کی رعنائی خیال کا مظہر ہے تو گنجینۂ کمالات فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے فردوس تخیل کا حسین شاہکار، یہاں مولانا شبلیؒ نے بربط علم و ادب پر محبت کے نغمے گائے ہیں تو سید سلیمان ندویؒ نے مضراب حیات کو چھیڑ کر مردہ دلوں کی مسیحائی کی ہے یہ دلوں کے لئے شفا خانۂ ابطحی ہے، تو ذہنوں کے لئے مطلع مشرق جس کی کرنیں آج حدود مشرق سے نکل کر مغرب کے کونے کونے تک پہونچ رہی ہیں اور عرصے سے سوئی انسانیت سے گراں خوابی کے اثرات دور ہو رہے ہیں، وہ آنکھیں کھول کر دیکھ رہی ہے، ہلکے ہلکے تبسم کیساتھ، کچھ مانوس مانوس سی، جیسے اس کے لاشعور کو ایک لذت سی محسوس ہو رہی ہو، مجمد رگوں میں خون حیات دوڑنے لگا ہو، جیسے اس کی روح کو مدت سے اسی کا انتظار ہو اور پھر بے اختیار "آفریں آفریں" "مرحبا مرحبا" کا خوشگوار جلترنگ بجنے لگا ہو، مسیحائے وقت کے نام، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے نام۔ شاہ فیصل کا پیغام، پیغام خوشی، تحفۂ مبارک باد، جیسے ان کی روح نے بھیجا ہو، ان کی روح کہہ رہی ہو، بارگاہ خداوندی میں آپ کا اخلاص و عمل مقبول ہو چکا ہے اور مادی دنیا نے بھی اپنی حیثیت کا انعام بھیجا ہے شاہ فیصل کی جانب سے، کتنی خوش ہوگی ان کی روح! حضرت مولانا مدظلہٗ کے نام

"فیصل ایوارڈ" کا سن کر اہل ندوہ میں سرور و انبساط کی ایک لہر سی دوڑ گئی ہے، اہل ندوہ ہی کیا، خوشی کسے نہ ہوئی ہوگی؟ کسے نہ ہونی چاہیئے؟ کہ وہ تو پوری انسانیت کے بہی خواہ ہیں، سارے عالم کے ہمدرد و غمگسار ہیں، ان کی ذات کا تعلق تو ساری مخلوق سے ہے، ہر جگہ سے مبارکباد کے پیغام آرہے ہیں، ہوا کے دوش پر بھی قاصد کے ہاتھوں بھی اور یہاں بھی یہی حال ہے، ہر شخص یہ چاہ رہا ہے کہ بڑھ کر مبارکباد پیش کرے مگر اتنی جرأت کس میں؟ چھوٹا منہ بڑی بات نہ ہوگی؟ اور پھر وہ ذات تو اس قسم کے مبارکباد سے مستغنی اور اس طرح کے ایوارڈ سے بے نیاز ہے، ایوارڈ سے ان کی شان نہیں بڑھی بلکہ انکی ذات سے ایوارڈ کی عزت بڑھ گئی ہے پھر مبارکباد دے بھی تو کس طرح؟ مگر دل بھی نہیں مان رہا ہے، جذبات کی موجیں سینوں کے ساحل سے ٹکرا ٹکرا کر اضطراب و بیقراری کی کیفیت پیدا کر رہی ہیں کبھی آنکھوں کی راہ سے خوشی کے آنسو بن کر نکل آتی ہیں، خوشی کے بھی تشکر کے بھی۔

دنیا کی ریت ہے مبارک باد کی رسم ادا کی جاتی ہے اور رسم یہاں بھی ادا ہوئی ہے مگر تہ دل سے، دل کی گہرائیوں سے، مقصد سورج کو چراغ دکھانا نہیں بلکہ اسکی حیات بخش حرارتوں کو اپنے ہی دلوں میں جگہ دینا ہوتا ہے اور پھر اظہار جذبات تقاضائے بشریت بھی تو ہے ــــ ندوۃ العلماء کے سلیمانیہ ہال میں یہ مبارک اور اخلاقی رسم ادا ہو رہی ہے، ہر شخص کا پیمانۂ دل خوشی سے لبریز ہے، آج رُت کچھ اور ہی سُہانی لگ رہی ہے، جیسے پوری فضا مبارکباد کے نغمے گا رہی ہو، جیسے ذرہ ذرہ وجد میں ہو اور اپنی قسمت پر ناز کر رہا ہو، آج خوش

←

ندوہ کے طلبہ، ۲۹ ویں کل ہند تحریری مقابلوں کے انعامی مقابلوں میں سرفہرست

کل ہند مجلس تعمیر ملت حیدر آباد کے زیر اہتمام ۲۹ ویں رحمۃ للعالمین کے تحریری مقابلوں میں دینی مدارس کے گروپ میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے عطاء الرحمٰن صدیقی متعلم علیا اولیٰ کلیۃ اصول الدین والشریعۃ کو پہلا انعام دیا گیا ہے، اور دوسرا انعام اسی ادارہ کے محمد رضی الاسلام متعلم عالیہ ثالثہ کو دیا گیا ہے اور ترغیبی انعام ذکر اللہ ہند کے حصہ میں آیا ہے جن کا بھی اسی ادارہ سے تعلق ہے۔

حضور پاکؐ کی سیرت پر یہ ادارہ مختلف عناوین دے کر تحریری مقابلے منعقد کرتا رہا ہے اور اس بار بھی اس کا اعلان تعمیر حیات کے شمارہ ۲۰ میں شائع ہوا تھا جس کو داخل کرنے کی آخری تاریخ ۳۰ دسمبر تھی۔ اس سے قبل بھی اس ادارہ کے طلبہ اس کل ہند مقابلہ میں حصہ لیتے رہے ہیں اور اپنی علمی صلاحیتوں کا مظاہرہ بحسن و خوبی کیا ہے اور اپنے کو اس انعام کا مستحق ثابت کیا ہے جس کا قریب ترین ثبوت مذکورہ بالا نتائج ہیں۔

دینی مدارس کے لئے "ہدایت کے لئے ایمان بالغیب کیوں ضروری ہے؟" کا عنوان تھا جس پر ان طلبہ نے اپنے مقالے پیش کئے ان کو بالترتیب ۱۵۰، اور ۱۲۵ روپئے بشکل نقد انعام دیا جائے گا البتہ ترغیبی انعام بشکل کتب ہر گروپ میں ہیں۔

اور اسمیں داخلہ بذریعہ فیس ہوتا ہے دینی مدارس و کالج گروپ کے لئے چار روپیہ ہے اور انٹرمیڈیٹ اور ہائی اسکول گروپ کے لئے تین روپیہ ہے۔

ڈگری کالج گروپ کے لئے "حفاظت خود اختیاری اور سیرت طیبہ" یا "عالم اسلام کے جدید رجحانات" عنوانات تھے۔ اس میں انعام اول سیدہ نصرت جہاں پرنس شیکار ویمنس کالج کو ۱۵۰/-، انعام دوم عبد الرشید سہگاؤں کشمیر یونیورسٹی سری نگر ۱۲۵/- ہے۔ اور تیسرا انعام جو ترغیبی ہے وہ سید یوسف علی نیو سائنس کالج حیدر آباد کو ملا ہے۔

انٹرمیڈیٹ گروپ کا عنوان اقبال کی نظموں (شکوہ اور جواب شکوہ کا مطالعہ) تھا۔ انعام اول سید عبد القادر حسین جونیر کالج چنچل گوڑہ حیدر آباد کو ۱۵۰ روپیہ ملا ہے اور دوسرا انعام عقیل احمد نارکیشور پرشاد ورما کالج شکار پور یوپی کو ۱۲۵/- ملا ہے اور تیسرا انعام صبیحہ شاہین نامپلی گرلز جونیر کالج حیدر آباد کو ملا ہے اور چوتھا انعام امۃ الرحمٰن وینٹنگ رام ریڈی ویمنس کالج حیدر آباد کو ملا ہے۔

ہائی اسکول گروپ کے لئے عنوان "عقائد اسلام" تھا اس میں پہلا انعام محمد سراج الدین اردو ہائی اسکول گولکنڈہ حیدر آباد کو ملا ہے۔ دوسرا انعام عامر اللہ خاں حیدر آباد پبلک اسکول حیدر آباد، اور ترغیبی انعام فردوس قریشی گرلز ہائر سکنڈری اسکول حیدر آباد اور چوتھا انعام ترغیبی مختار احمد پیر محمد انصاری ایس۔ ایچ۔ اے رئیس ہائی اسکول بھیونڈی مہاراشٹر کو ملا ہے۔ ●●

مولانا ابو العرفان صاحب ندوی کی ایران کے دورے سے واپسی

مولانا ابو العرفان ندوی صدر شعبۂ دینیات ندوۃ العلماء کی تہران سے واپسی ہو گئی، وہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے نمائندہ کی حیثیت سے ایران میں اسلامی انقلاب کی پہلی سالگرہ میں شرکت کی غرض سے گئے تھے، مولانا نے اس انقلاب کی مختلف تقریبات میں شرکت کی اور انقلاب کے سربراہ امام خمینی سے ملاقات کی اور ان کو حضرت مولانا کی جانب سے کتابوں کا تحفہ پیش کیا۔

ہو تو یوں بھی ہر چیز پیاری محسوس ہوتی ہے پھر آج تو رنگ ہی کچھ اور ہے آخر انتظار کی گھڑی ختم ہوتی ہے اور اظہار تشکر و مبارکباد کے لئے سب کی جانب سے ندوۃ العلماء کے ذی علم فرزند ارجمند مولانا ابو العرفان ندوی مدظلہ، کھڑے ہوتے ہیں اور اپنی زبان ہوشمند سے کچھ یوں ترجمانی فرماتے ہیں کہ ان کی آواز سبھی کے دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارے ہی دل کی آواز ہو، اور ایسا محسوس بھی کیوں نہ ہو کہ جس میں ذہن ڈھلتا ہے وہ سانچہ بھی ایک ہے، جہاں فکر پروان چڑھتی ہے وہ فضا بھی ایک۔

اور پھر حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ، جن کے اعزاز میں جلسہ ہو رہا ہے کھڑے ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں اس "فیصل ایوارڈ" نے مجھے ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ ایک ذہنی اذیت میں مبتلا کر دیا ہے، قلبی سکون میں ایک خلل پیدا کر دیا ہے اور میں سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ اخلاص و تبلیغ کا مادی انعام اور دنیاوی شہرت سے تعلق کیسا؟ کہیں میرا نفس اسیر خوش تو نہیں ــ؟ اللہ اللہ فکر کا یہ انداز! احتیاط و تقویٰ کا یہ رنگ!

سچ ہے کہ عظیم ہستیاں ہر حال میں عظیم رہتی ہیں، ہر لحظہ عظیم! انکے گفتار و کردار، غور و فکر سب میں ایک عظمت پوشیدہ ہوتی ہے، کاش کہ انسان اس عظمت کے حقیقی محرکات کو پہچان لے، کاش کہ انسان ان عناصر کو محسوس کرلے کہ جو دنیا سے گریز کرتا ہے دنیا اسکے قدموں میں کس طرح گر جاتی ہے۔ مولانا کی مختصر مگر جامع تقریر کا دلوں پر عجیب ہی اثر ہوا، ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی گویا سبھی زبان حال سے کہہ رہے ہوں۔ ع

سلامت تو، ترا میخانہ، تیری انجمن ساقی

خدا کرے روحانیت کا یہ گھنا سایہ تا دیر اس فضا پر قائم رہے۔ یہ جلسہ تو اساتذۂ ندوۃ العلماء کی جانب سے تھا بعد نماز مغرب انجمن الاصلاح کے وسیع ہال میں طلباء ندوہ کی جانب سے بھی ہے، بھلا جن جذبات کے ضبط کی تاب بڑوں میں نہ ہو انھیں یہ سیماب صفت نوجوان کہاں برداشت کر سکتے ہیں ان جذبات کی موجوں کے تھپیڑے انکے معصوم دل کس طرح سہہ سکتے ہیں، یہ تو اس قدر متحرک اور اتنے خوش نظر آرہے ہیں جیسے "فیصل ایوارڈ" ان کے مولانا کو نہیں بلکہ انھیں کو ملا ہو۔ خوش ہوں بھی کیوں نہیں کہ رشتہ ہی کچھ ایسا ہے باپ کو اعزاز و انعام ملے تو خوشی اولاد کو کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے اس مادر علمی کے رشتے سے سبھی ایک ہی خاندان کے تو افراد ہیں۔

آج سرور و انبساط کے ساتھ جلسے میں ایک مانوس مگر انوکھی رونق بھی نظر آرہی ہے کیونکہ آج اس برادری کے معزز ترین افراد جمع ہیں حضرت مولانا مدظلہ کے ساتھ مولانا عمران خاں ندوی ازہری، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب شیروانی اور مولانا محب اللہ ندوی مہتمم دار العلوم پہلو بہ پہلو تشریف فرما ہیں، سامنے اساتذۂ کرام اور طلباء، ندوہ کا پر اشتیاق ہجوم دیدہ و دل نچھاور کئے ہوئے ہے، مادر علمی کے سائے میں ایک خاندان جمع ہے، تعداد کے اعتبار سے کم مگر ساری دنیا پر چھا جانے والا خاندان!

طلبائے ندوہ کی جانب سے عبد الرشید اور محمد ابراہیم یکے بعد دیگرے اظہار تشکر کرتے ہوئے معصومانہ اور والہانہ انداز میں مبارک باد پیش کرتے ہیں اور پھر ایک قدیم روایت جو ہر سال زندہ کیجاتی ہے آج بھی زندہ کی جا رہی ہے، انجمن الاصلاح کے رسالہ کی رسم اجراء، جیسے ندوۃ العلماء جہاں سے "البعث الاسلامی" "الرائد" اور "تعمیر حیات" جیسے عربی اور اردو کے معیاری رسالے نکلتے ہیں وہاں طلبائے ندوہ کی بوقلمونیوں کا مظہر "رسالۃ الاصلاح" بھی نکلتا ہے، رسالہ حضرت مولانا مدظلہ کی جانب بڑھایا جاتا ہے اور وہ اپنے ہاتھوں مولانا عمران خاں صاحب کی جانب بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں "یہ وہ شخصیت ہے جس سے انجمن کی فضا سب سے زیادہ مانوس ہے جس نے اپنے دور طالب علمی میں اس میکدہ میں سب سے زیادہ مشربی کی ہے اور جو مجھ سے زیادہ اس بزم کے حقدار ہیں"، ان کی عظمت کی ایک جھلک یہاں بھی نظر آتی ہے انکی رفعت کا پرتو یہاں بھی دکھائی دیتا ہے۔ رسم اجراء کے بعد حضرت مولانا مدظلہ خطاب فرماتے ہیں اور طلبائے ندوہ کو ان رموز و اسرار سے آشنا کراتے ہیں جن سے شاہین فطرت میں پرواز کی قوت اور رفعت کا انداز آتا ہے ــــــــ

اور اب ششماہی امتحان ہونے والا ہے، تعلیم و تعلم کی گرم بازاری شباب پر ہے، کتابوں کی دنیا کیا ہوتی ہے کوئی یہاں آکر دیکھے، ہر طالب علم مطالعے میں اس طرح مستغرق جیسے پڑھنے کے علاوہ کچھ جانتا ہی نہ ہو جیسے امتحان اور آزمائش سے گذرنا ہی ان کی زندگی کا مقصود و مطلوب ہو۔ امتحان بعد تین یوم کی تعطیل ہوتی ہے ــــ اور اب مدرسہ پھر کھل چکا، زندگی ایک بار پھر حرکت میں آچکی ہے، وہی حرکت وہی کیفیت، جس کے لئے اقبال نے کہا ہے ؎

جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

●●

بمبئی میں
خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ و لذیذ
سلیمانی افلاطون
اس کے علاوہ خصوصی پیش کش
ڈرائی فروٹ برفی
ملک کیک * قلاقند * ملائی * برفی * کوکو ملائی برفی
ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں
خریدنے کا قابل اعتماد مرکز
سلیمان عثمان مٹھائی والے
مینارہ مسجد کے نیچے، بمبئی
فون 320059
بیکری: ۳۳۔ محمد علی روڈ بمبئی ۳